آنکھ مچولی

جون ۱۹۹۰ء

عیدی حاصل کرنے والے خوش نصیب ساتھی اپنے نام اندر ملاحظہ فرمائیں

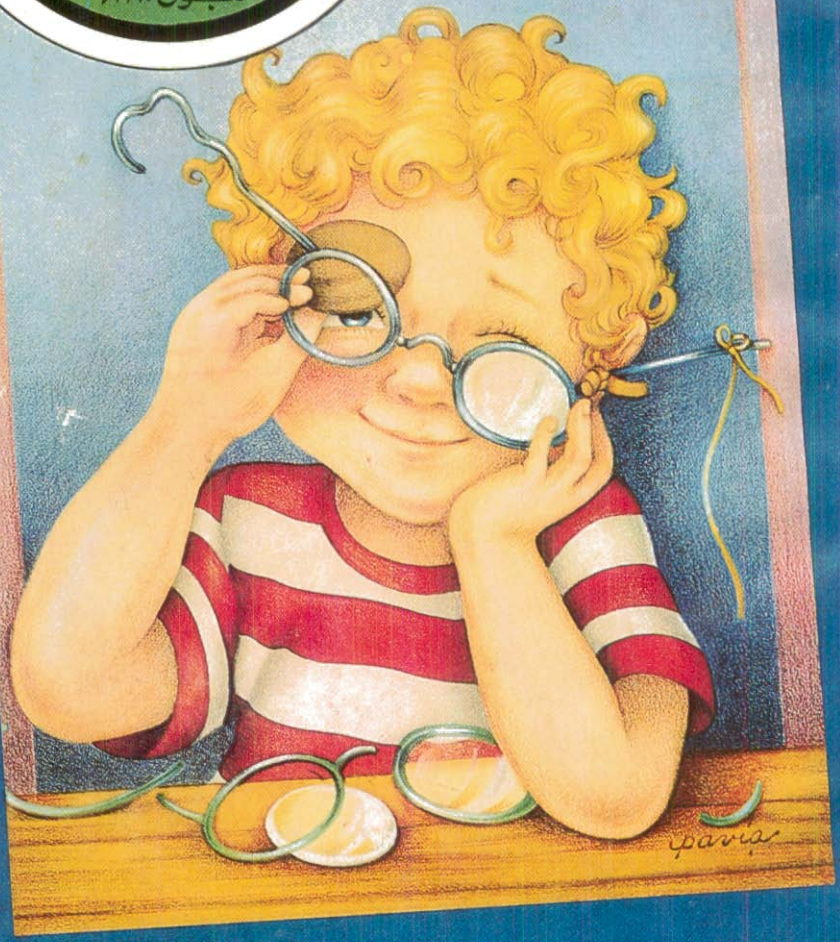

آپ ایک بار پی کر تو دیکھیں!

ٹپال چائے

دانے دار

لیف بلینڈ

فوری تیار، زیادہ خوشبودار
گہری رنگت، یادگار لذت
ایک پیالی میں گھنٹوں تسکین

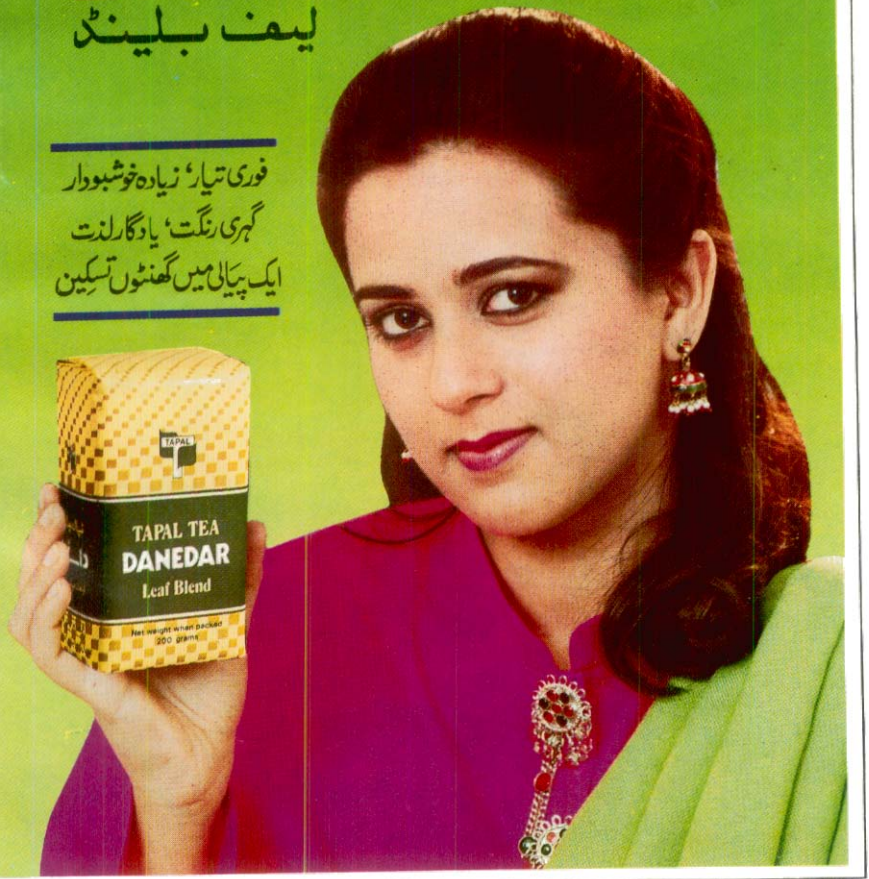

Did you drink your fruit today?

Mango, Orange and Mango Orange mix.

frooto

FRUIT JUICE

Just dip in the straw and drink up the fun. Frooto comes in a convenient, ready to use 250 ml pack. All packs are lined with aluminium foil that keeps the fruity flavour fresh for months.

frooto — the taste is lively the pack is handy!

Processed and packed by KAMBAN DISTRIBUTORS (Pvt.) LIMITED

CRESCENT COMMUNICATIONS INTERNATIONAL (PVT) LIMITED

نئی نسل کے ادب کا بین الاقوامی معیار

ماہنامہ

آنکھ مچولی

کراچی

جلد ۴ شمارہ ۱۲

جون ۱۹۹۰ء / ذیقعد ۱۴۱۰ھ

مدیر اعلیٰ: ظفر محمود شیخ

مدیر مسئول: تجمل حسین چشتی

مشاورت: مشفق خواجہ، امجد اسلام امجد

مدیران اعزازی: طاہر مسعود، محمد سلیم مغل

مجلس ادارت: شاہ نواز فاروقی، ساجد سعید

فون ۲۹۹۱۷۸

◉ ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی تمام تحریروں کے جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ پیشگی اجازت کے بغیر کوئی تحریر شائع نہیں کی جاسکتی۔

◉ ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی قرآن وحدیث پر مبنی تحریروں کے علاوہ کہانیوں کے کردار و واقعات فرضی ہیں۔ کسی اتفاقیہ مماثلت کی صورت میں ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا

◉ ماہنامہ آنکھ مچولی کو گرین گائیڈ اکیڈمی نے ضمیر الدین میموریل آرگنائزیشن کے زیر سرپرستی بچوں کی ذہنی اور علمی صلاحیتوں میں اضافے اور سیرت و کردار کی تعمیر کے لئے شائع کیا۔

ناشر: ظفر محمود شیخ طابع: زاہد علی مطبع: لاریب پرنٹنگ پریس، ایم اے جناح روڈ۔ کراچی

خط وکتابت کا پتہ: ماہنامہ آنکھ مچولی، گرین گائیڈ اکیڈمی، ۱۱۲۔ڈی، نورس روڈ، سائٹ کراچی

قیمت ۱۰ روپے، ۷ درہم، ۷ ریال

زرِ سالانہ کے لیے خصوصی بچت اسکیم کا صفحہ دیکھیے

خصوصی بچت اسکیم

آنکھ مچولی کے ۱۲ شمارے
کتنے سستے کتنے پیارے

۵۰ روپے کی خصوصی رعایت اور تحفہ مفت

آنکھ مچولی کے بارہ شماروں کی قیمت
مع دو خاص شمارے اور رجسٹرڈ ڈاک خرچ

۲۱۰ روپے بنتی ہے، لیکن سالانہ ممبر شپ حاصل کرنے والوں کے لیے خصوصی رعایت یعنی ۲۱۰ کے بجائے صرف ۱۵۰ روپے۔ اس طرح گویا
مالی منفعت بھی اور علمی فائدہ بھی

زرِ سالانہ کی رقم دفتر کے پتے پر منی آرڈر کریں اور کوپن پُر کر کے ہمیں بھجوا دیں
آنکھ مچولی بیرونِ ملک منگوانے کے لئے زرِ سالانہ مبلغ ۳۰/- روپے

سالانہ ممبر شپ آنکھ مچولی ۱۱۲۔ ڈی سائٹ کراچی

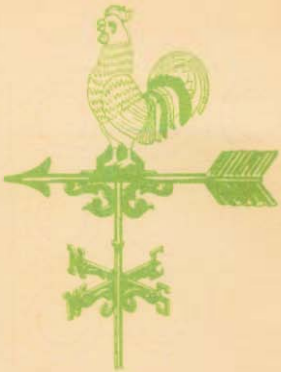

حُسنِ ترتیب

نعت سید نظر زیدی	۸
اداریہ	۹
ڈاکیہ ڈاک لایا	۱۱
گواہی ۔ عنایت علی خان	۱۶
میاں روبوٹ بموش شکیل	۲۱
ایک تھا بادشاہ ۔ طاہر مسعود	۲۳
فطرت کی دنیا ۔ شین فاروقی	۲۸
ٹھہرو میں یقین کرلوں ۔ منیر احمد راشد	۳۳
ٹوٹی گاڑی کام میں لائیں۔ سلمٰی سلیم	۳۹
اصول کی فریاد (نظم) شاہنواز فاروقی	۴۱
حجام ڈاکٹر۔ شاہنواز فاروقی	۴۳
دلدل ۔ حمید کاشمیری	۴۷
کھٹ مٹھے (منتخب لطائف)	۵۵
ہیرو	۵۹
یہ دنیا بہت بڑی ہے سلمان غزالی	۶۱
آیئے علم جمع کریں ملاحت کلیم شیروانی	۶۶
بخیل کہیں کا ۔ سلیم مغل	۷۱
قوم مذہب سے ہے.....	۷۶
تحریری مباحثہ	۷۹
گرمی کی رت (نظم) شبیر بیگ ناز	۸۲
غزل پزل	۸۳
دو گھروں کی ایک کہانی جاوید خالد	۸۷
ناگ اور کوا (نظم) م ۔ الف راشد	۹۳
ہے بارہ مہینے کا مہمان مچھر ساجد سعید	۹۵
سائنس انکوائری ۔ ایاز محمود	۹۹
فیصلہ خود کیجئے ۔ نازیہ جبین	۱۰۳
بڑ بولا۔ پرویز آرائیں	۱۰۷
آنکھ مچولی (نظم) ساجد بشیر	۱۱۳
آپ کا دماغ ۔ شاہد خان	۱۱۴
میلے آنسو۔ سیدہ ناصرہ اعجاز	۱۱۹
منھی نگارشات	۱۲۷
سالگرہ کے ساتھی	۱۳۹
امّی ابّو کا صفحہ	۱۴۲

رسول اللہ ﷺ کی شان

نظر زیدی

بُروں کو نیک بنایا رسولِ اکرم ﷺ نے
رہِ خدا پہ چلایا رسولِ اکرم ﷺ نے

وہ کامیاب ہُوا جو خدا کا بن کے رہا
یہ راز ہم کو بتایا رسولِ اکرم ﷺ نے

دعائیں مانگیں بھلائی کی دشمنوں کے لئے
کسی کا دل نہ دُکھایا رسولِ اکرم ﷺ نے

جو غیر ہیں اُنہیں اپنا بناؤ، پیار کرو
یہ کام کرکے دِکھایا رسولِ اکرم ﷺ نے

ستم یہ تھا کہ بڑے بن گئے تھے بے انصاف
اُنہیں جہاں سے مٹایا رسولِ اکرم ﷺ نے

جو بے کسوں کو ستاتے تھے ان کو زیر کیا
سروں کو اُن کے جُھکایا رسولِ اکرم ﷺ نے

عمل سے آپ کے گلزار بن گئی دنیا
کہ دو جہاں کو سجایا رسولِ اکرم ﷺ نے

اداریہ

ماہ رواں کی پہلی بات

گرمی کا تصور جس قدر بھیانک ہے، گرمی کی چھٹیوں کا تصور اتنا ہی روح پرور اور خوش کن ہے۔ چھٹیاں اور وہ بھی دنوں یا ہفتوں میں نہیں بلکہ مہینوں کے حساب سے۔ ایسی چھٹیوں کے کیا کہنے جس میں نہ امتحان کا خوف نہ پڑھنے کی فکر نہ اسکول جانے کا مسئلہ ہو اور نہ ہی لمحے لمحے کی پابندی کا ڈر۔ سچ یہ ہے کہ تعطیلات انسان کی نفسیاتی ضرورت ہیں۔ ہم جب اپنے لگے بندھے معمولات سے اکتا جاتے ہیں یا روز مرہ کے ایک ہی انداز کے کام سے گھبرا جاتے ہیں تو کچھ وقت کے لئے ان بندشوں سے فرار چاہتے ہیں، ایسا فرار جو ہمارے تھکے ہوئے ذہن کو نئی توانائی عطا کرے اور ہمیں پھر سے چاق و چوبند اور چست و چالاک بنادے تاکہ ہم تازہ دم ہو کر پھر سے زندگی کی جدوجہد میں شریک ہو سکیں۔ تعطیلات، ہمارے روز مرہ کے کاموں کے درمیان ملنے والی اس مہلت کا نام ہے جو ہمارے پژمردہ چہروں اور تھکے ہوئے ذہنوں کو نئی رعنائی عطا کرتی ہے۔ اگر چھٹیاں نہ ہوں تو ہم اعصابی مریض بن جائیں، ہماری زندگی دشوار اور ہمارا ہر عمل ہمارے لئے تکلیف دہ ہو جائے۔

جو لوگ تعطیلات کو توانائی یا سکون کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہیں وہ اپنی چھٹیوں کی منصوبہ بندی کرتے ہیں، سیر و تفریح بھی کرتے ہیں اور کھیلتے کودتے بھی ہیں۔ عزیز و اقرباء سے بھی ملتے ہیں اور نت نئے مشاغل بھی اپناتے ہیں محض اس لئے کہ وہ خوش رہیں اور زندگی کی حقیقی مسرتوں کو حاصل کر سکیں مگر ان چھٹیوں میں وہ اپنی عملی زندگی سے یکسر غافل نہیں ہو جاتے بلکہ اپنے ضروری کاموں کو بھی انجام دیتے رہتے ہیں۔ انہیں یہ احساس رہتا ہے کہ ان چھٹیوں کے بعد انہیں اپنے دفتر یا مکتب میں دوبارہ جانا ہے۔

چھٹیوں میں ہوم ورک بھی اسی لئے دیا جاتا ہے کہ کہیں آپ کے ذہن سے وہ ساری باتیں محو ہی نہ ہو جائیں جو آپ نے اب تک سیکھی ہیں بلکہ یہ احساس باقی رہے کہ آپ نے اس کے بعد اپنے تعلیمی ادارے کی طرف بھی لوٹنا ہے اور یہ کہ آپ کا اصل مقصد تو علم حاصل کرنا ہی ہے۔

بس آپ بھی اسی کسوٹی پر اپنی چھٹیوں کو پرکھئے اگر چھٹیوں کے بعد نئی تر و تازگی کے احساس کے ساتھ آپ اپنے اسکول یا کالج جا رہے ہیں تو سمجھئے کہ یہ چھٹیاں آپ کو بہت کچھ دے گئیں اور اگر تعلیمی اداروں کے کھلنے کا خوف آپ کو پریشان کئے دے رہا ہے تو سمجھ لیجئے کہ یہ چھٹیاں آپ کو کچھ دینے کے بجائے آپ سے بہت کچھ لے گئیں۔

آپ کا دوست
ظفر محمود شیخ

آزادی کی خوشبوؤں میں رچا بسا

ماهنامه آنکھ مچولی کا خاص نمبر

دل دل پاکستان

جولائی ۱۹۹۰ میں شائع هورہا ہے

ہمیشہ کی طرح چونکا دینے والی اچھوتی پیش کش اور دل و نظر کو بھا جانے والا حسین تحفہ

- ــــــ پاکستانیت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی دلگداز کہانیاں
- ــــــ ملّی جذبوں سے بھرپور نغمے اور گیت
- ــــــ تاریخ کے خونیں اوراق اور جہدِ آزادی کی جھلکیاں
- ــــــ وطن دشمنوں کے چہروں سے نقاب کشائی
- ــــــ بھارت سے تین جنگوں کی جیتی جاگتی تصویر
- ــــــ شہیدوں کے قصّے ، غازیوں کی باتیں
- ــــــ ترقی کی دوڑ میں اپنی رفتار کا جائزہ
- ــــــ نادر تحریریں نایاب تصویریں

حرف حرف پاکستان لفظ لفظ پاکستان

جولائی کا خاص نمبر دِل دِل پاکستان

اپنی انمول تحریروں سے وطن کی محبت کا قرض چکایئے

دِل دِل پاکستان کے لئے اپنی تخلیقات پہلی فرصت میں ارسال کردیجئے

ڈاکیا ڈاک لایا

محمد عاقل محمد خان

پرانا سکھر :۔ مئی کا شمارہ عید سے پہلے ملا اور عید کی خوشیاں دوبالا ہوگئیں۔ حمید کاشمیری کی تحریر "دلدل" دل میں اتر گئی۔ آنکھ مچولی میں آرٹ گیلری کا سلسلہ شروع کردیں تو بہتر رہے گا۔

○ ..... حمید کاشمیری صاحب آپ کا شکریہ ادا کررہے ہیں رہا آرٹ گیلری کا مشورہ ..... کہیں آپ آرٹسٹ تو نہیں؟ اگر ایسا ہے تو اپنے فن کے نمونے ہمیں بھیج دیجئے۔

محمد رفیق اکبر حیدر آباد ، عمران شفیع ، کراچی :۔ حق اسکواڈ کا سلسلہ آپ نے کیوں بند کردیا؟ اس سلسلے کو دوبارہ شروع کیجئے یہی تو وہ واحد کہانی تھی۔ جس میں ہمارے معاشرے کے ناسوروں کے بارے میں بتایا جاتا تھا۔

○ ..... "حق اسکواڈ" کے ساتھی ان دنوں اعلیٰ تعلیم کے لئے بیرون ملک گئے ہوئے ہیں۔ جب وہ واپس آئیں گے تو نئے دھماکوں اور نئے کارناموں کے ساتھ۔ آنکھ مچولی کی ہر دوسری کہانی معاشرے کے کسی نہ کسی ناسور کے بارے میں ہوتی ہے۔

ایم اعجاز شریف چوہدری راجہ رام :۔ پہلی مرتبہ آنکھ مچولی پڑھا۔ مجھے بہت افسوس ہوا کہ اتنا اچھا رسالہ میں نے پہلے کیوں نہ پڑھا۔ کھٹ مٹھے لطیفے پڑھ کر اتنا مسکرایا کہ زندگی میں کبھی نہیں مسکرایا۔

○ ..... خوش آمدید ..... آپ ہماری محفل میں آئے اور آتے ہی آپ مسکرا اٹھے آپ کا آنا اور مسکرانا دونوں ہمیں اچھا لگا۔

مہر احمد نواز اور غلام عباس طاہر، شور کوٹ۔ میں نے لاتعداد کہانیاں ، لطائف اور دوسری چیزیں بھیجیں لیکن مایوسی ..... مایوسی۔ آنکھ مچولی ہم خریدتے رہیں گے بے شک آپ حوصلہ افزائی نہ کریں۔

○ ..... مایوسی مگر اتنی سی بات پر؟ ہمارے قومی شاعر نے تو کہا تھا تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب

..... یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے۔ لکھتے رہئے ایک دن آپ ضرور کامیاب رہیں گے اور مایوسی ختم ہو جائے گی۔

جواد احمد، بھیرہ :۔ وطن عزیز سے آپ کی محبت اور سماجی بھلائی کے کاموں کو دیکھ کر آپ کی عظمت کو سلام کرنے کو جی چاہتا ہے خدا کرے آپ اسی طرح تعلیم کی روشنی پھیلاتے رہیں۔ اب آپ امن ایک جہتی اور سماجی خدمت کے موضوعات پر بھی نمبر نکالئے۔

○ ..... آپ نے اتنی تعریف کر کے سخت شرمندہ کیا۔ بھئی جتنا کچھ فرض ہم لوگوں پر عائد ہوتا ہے اس کے مقابلے میں تو ہماری خدمات کچھ بھی نہیں ہیں آپ دعا کرتے رہئے اگلا شمارہ "پاکستان نمبر" ہو گا جسے آپ یقیناً پسند کریں گے۔

عبدالقیوم فتح محمد قریشی ، حیدر آباد :۔

سرورق پر قدرتی نظاروں کی تصویریں دیا کریں کیا پاکستان میں قدرتی نظارے کم ہیں کہ آپ مصنوعی آرٹ کا سہارا لیتے ہیں۔

○ ..... آنکھ مچولی کا اپنا انداز ہے۔ قدرتی نظارے تو آپ کو ڈائریوں اور کیلنڈروں اور دوسرے رسائل میں دیکھنے کو مل جاتے ہیں جو سرورق آپ کا آنکھ مچولی پیش کرتا ہے کیا اسے بھی آپ کہیں دیکھ پاتے ہیں؟

عبدالغفار سومرو سندھ :۔ پیارے بھائی جان عید کارڈ کے لئے ہم آپ کے ممنون ہیں کیا ہمیں آنکھ مچولی میں لکھنے کا حق ہے؟ اگر حق ہے تو ہم دو عدد لطیفے اور ایک نظم جو ہم نے اس پیارے رسالے کے لئے لکھی ہے بھیج رہے ہیں۔

○ ..... آنکھ مچولی آپ کا رسالہ ہے اس رسالے پر ہم سے زیادہ آپ کا حق ہے ایسی باتیں پوچھ کر آپ کیوں ہمارا دل دکھاتے ہیں۔

مریم شاہ ..... جھنگ :۔ آپ انعامی مقابلے میں جواب بھیجنے کی تاریخ اتنی کم رکھتے ہیں کہ ہمارے لئے جواب بھیجنا ممکن نہیں ہوتا ہمارے گھر تو رسالہ پہنچنے میں بہت دن لگ جاتے ہیں۔

○ ..... آپ کا مسئلہ واقعی تشویش ناک ہے ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ اگلا شمارہ ہمیں پریس میں چھپنے کے لئے جلدی بھیجنا پڑتا ہے اسی لحاظ سے ہم تاریخ مقرر کرتے ہیں۔

عامر ملک ، حیدر آباد :۔ ہم دوستوں نے مل کر "ہلال احمر" گروپ بنایا ہے ہم لوگوں کی مدد کرتے ہیں جب کوئی کسی کو تنگ کرتا ہے تو اس کی پٹائی لگاتے ہیں۔ آنکھ مچولی سے جو تحفے ملتے ہیں اسے ہم غریب بچوں کو دے دیتے ہیں۔ آپ اپنے رسالے کی قیمت کم کر دیجئے۔

○ ..... گروپ تو آپ کا اچھا ہے نیک مقاصد کے لئے کام کریں تو اور بھی اچھا ہے لیکن یہ پٹائی وغیرہ لگانے والی بات ٹھیک نہیں ہے۔ کوئی کسی کے ساتھ زیادتی کرے تو اسے سمجھا بجھا دینا چاہئے۔ رسالے کی قیمت مجبوراً بڑھائی گئی ہے۔

ساجدہ جبین صالح ، راولپنڈی :۔ ہماری قومی کرکٹ ٹیم کا انٹرویو چھاپئے۔ مہربانی ہوگی۔

○ ..... پوری ٹیم کا انٹرویو؟ اس کے لئے تو پورا رسالہ چاہئے کسی ایک کھلاڑی کی فرمائش کرتے تو ہمارے لئے سہولت رہتی۔

زاہدہ خیر محمد مغل (؟) :۔ انکل! یہ میرا پانچواں اور آخری خط ہے کیا آپ صرف اپنے رشتے داروں کے خط شائع کرتے ہیں؟

○ ..... بھئی ہمارے اتنے رشتے دار کہاں؟

ویسے ہمیں جو بھی خط لکھتا ہے کسی رشتے اور تعلق ہی سے لکھتا ہے ہمیں افسوس ہے کہ آپ کے چار خطوں کا جواب نہ دے سکے۔

خیز ران طاہرہ ..... لودھراں :۔ آپ کا رسالہ بچوں کا رسالہ کہلاتا ہے لیکن اس میں آپ نے بچوں کے لئے بہت کم جگہ رکھی ہے۔ زیادہ تر آپ بڑے لوگوں کی ہی کہانیاں شائع کرتے ہیں۔

○ ..... "ننھی نگار شات" تو بچوں ہی کا سیکشن ہے اور دوسرے سیکشن میں بھی کوئی اچھی تحریر مل جائے تو ہم شائع کر دیتے ہیں یہ دیکھے بغیر کہ لکھنے والا بچہ ہے یا بڑا۔

وسیم حسن ، لاہور :۔ میرے ایک انکل سگریٹ پیا کرتے تھے مگر انہوں نے میرے کہنے پر سگریٹ نہ پینے کا عہد کیا ہے یہ سگریٹ چھڑاؤ تحریک کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

○ ..... شاباش ! آپ نے بڑا زبر دست کام کیا اب دعا کیجئے کہ آپ کے انکل اپنے وعدے پر قائم رہیں یہ تو ان کی اپنی بھلائی کی بات ہے۔

شاہد رمضان لانڈھی :۔ انکل ! ڈوڈو کے بارے میں آج کل کوئی خبر سننے میں نہیں آرہی ہے اس کی کیا وجہ ہے کہ بچوں کا لیڈر بچوں کے رسالے سے غائب ہے کیا وہ بھول گئے ..... یا آپ انہیں بھول گئے۔

○ ..... بھئی ڈوڈو جب سے الیکشن جیت کر سیاستداں بنا ہے ، اس سے ملاقات ہی نہیں ہوتی سارے سیاستداں یہی کرتے ہیں وعدے تو کرتے ہیں ووٹ لیتے ہیں اور پھر چپت ہو جاتے ہیں۔ ڈوڈو کہیں ملا تو آپ کی شکایت ہم ضرور پہنچائیں گے۔

وسیم احمد ایبٹ آباد :۔ میں آپ کے ادارے کی چھپی ہوئی کتاب تعلیم السلام کے مصنف مفتی کفایت اللہ صاحبؒ سے چند سوالات پوچھنا چاہتا ہوں مہربانی کر کے ان کا پتہ بتا دیجئے۔

○ ..... مفتی کفایت اللہ صاحبؒ برصغیر کے نامور عالم دین تھے ان کے انتقال کو عرصہ ہوا لیکن ان کی یہ کتاب آج بھی مسلمانوں کی رہنمائی کا کام دے رہی ہے اللہ انھیں اس کی جزا دے۔ (آمین)

حسن اختر خان ، تحصیل فتح جنگ ، اٹک :۔ کیا آپ خوفناک نمبر ۳ بھی شائع کریں گے ؟

○ ..... کیوں بھئی کیا خوفناک نمبر پڑھ پڑھ کر ڈرنے کی عادت سی پڑ گئی ہے۔ ابھی تو ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

محمد علی کنٹونمنٹ ، جہلم :۔ آپ اپنے صفحات پر شاید ان کو جگہ دیتے ہیں جو نئے نئے ہوں مگر ہم تو اب پرانے ہو چکے ہیں لیکن جب ہم نئے نئے آپ کی بزم میں شریک ہوئے تو آپ نے ہمیں سوکھے منہ بھی نہیں پوچھا تھا۔

○ ..... آپ نے انگریزی محاورہ نہیں سنا اولڈ از گولڈ۔ یعنی جو چیز جتنی پرانی ہوتی ہے اتنی قیمتی ہوتی ہے آپ تو ہمیں سب سے عزیز ہیں کیوں کہ رسالے کے پرانے قاری ہیں۔

سید محمد اشفاق بخاری ، تحصیل خان پور :۔ اگر رسالے میں اسکاؤٹنگ کے بارے میں معلومات کا ایک حصہ مخصوص کر دیا جائے تو اس سے رسالے کی رونق دوبالا ہو جائے گی۔

○ ..... آنکھ مچولی میں اسکاؤٹنگ پر ایک گوشہ شائع کیا جا چکا ہے کوئی اچھا مضمون اب بھی ملے تو چھپ سکتا ہے آپ ہی ہمیں لکھ بھیجئے نا۔

شہزاد علی شاہ ، سیالکوٹ :۔ زندگی میں پہلی بار رسالہ پڑھا ہر لحاظ سے عمدہ ہے لیکن صفحے کم ہیں۔ اس طرف ذرا توجہ دیجئے اب رسالے کا ہر ماہ انتظار رہا کرے گا۔

○ ..... اب آپ نے رسالہ پڑھنا شروع کیا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ ہم ہر تھوڑے عرصے بعد نہایت ضخیم سا خصوصی نمبر چھاپتے ہیں پھر آپ صفحات کی کمی کی شکایت نہیں کریں گے۔

فراز بیگ ، حیدر آباد :۔ میں نے پہلے بھی آپ کو لکھا تھا کہ فروری کے شمارے کی کہانی "گڈریا" نقل شدہ ہے یہ کہانی پہلے ایک رسالے میں شائع ہو چکی ہے۔

○ ..... آپ اس رسالے کا مہینہ اور سال لکھئے۔ یا اس کا تراشہ آپ کے پاس ہے تو بھجوا دیجئے۔

عمران خان ، ملتان روزینہ ناز ، ضلع ساہنگھڑ :۔ مارچ کے رسالے میں سمکان مغل کی کہانی "آمر سے نجات" پانچویں جماعت کی انگریزی کی کہانی سے نقل کی گئی ہے اور انگریزی میں کہانی کا نام "ولیم ٹیل اینڈ دی ایپل" ہے۔

○ ..... بات یہ ہے کہ اگر کوئی کہانی کسی دوسری زبان سے لی جائے تو اسے نقل کرنا نہیں ترجمہ کرنا کہتے ہیں۔ اگر اس کہانی کا ترجمہ سمکان مغل صاحب نے پہلی بار اردو میں کیا ہے تو پھر ان پر چوری کا الزام عائد نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں ان سے یہ غیر ذمہ داری ہوئی کہ انہوں نے اصل مصنف کا نام نہیں دیا۔

حبیب الرحمان کراچی :۔ ضرب مومن کی جنگی مشقوں میں کیا فوجیں ہلاک ہوئی تھی یا کوئی "ٹینک" وغیرہ کا نقصان ہوا تھا کیوں کہ اس جنگ میں تو باقاعدہ دو گروہ تھے اور اخبارات کے مطابق ان میں گھمسان کی جنگ بھی ہوئی تھی۔

○ ..... "ضرب مومن" میں اصلی لڑائی نہیں ہوئی تھی یہ تو محض مشقیں تھیں اسی لئے اس میں کوئی ایسا جانی مالی نقصان نہیں ہوا البتہ حادثاتی طور پر ہمارے چند ایک فوجی جاں بحق ہوئے۔

محمد نظیم قریشی کی طرف سے آپ کو سلام میں بھی ایک بچہ ہوں اور مجھے کہانیاں لکھنے کا شوق ہے شوق تو مجھے بہت سے ہیں لیکن سب سے زیادہ کہانیاں لکھنے کا شوق ہے۔

○ ..... محمد عظیم قریشی کو ڈھیروں دعائیں۔ اگر یہ خط تم نے ہی لکھا ہے تو میرے دوست تم میں کہانیاں لکھنے کی اچھی صلاحیت ہے فوراً لکھنا شروع کر دو۔

لکھنے والے متوجہ ہوں

ادارہ کو ہر ماہ سینکڑوں خطوط موصول ہوتے ہیں، سب کا جواب دینا ممکن نہیں ہوتا۔ جو قارئین چاہتے ہیں کہ انہیں براہِ راست جواب دیا جائے، وہ خط کے ساتھ مکمل پتا لکھا ہوا جوابی لفافہ ارسال کریں

(ادارہ)

عیدی حاصل کرنے والے ۵۰ خوش نصیب

گزشتہ ماہ کے شمارے میں ہم نے آپ کو قیمتی تحائف بطورِ عیدی دینے کا وعدہ کیا تھا۔ وعدے کی تکمیل وعدے کی تاریخ سے قبل ہو رہی ہے۔ درج ذیل ۵۰ خوش نصیب ساتھیوں نے یہ تحائف حاصل کئے ہیں۔ ان سب کو ہماری مبارک باد

چونکہ کوپن ابھی تک موصول ہو رہے ہیں۔ اس لئے ہم نے ۱۰۰ کے بجائے صرف ۵۰ تحائف کا اعلان کیا ہے۔ جن ساتھیوں کا نام اس فہرست میں نہیں وہ مایوس نہ ہوں بلکہ آئندہ ماہ کے خاص نمبر "دل دل پاکستان" میں ۵۰ مزید تحائف کے نتائج کا انتظار کریں۔

کیلکولیٹر

۱۔ سلیم خالق، کراچی
۲۔ فرخ اکرم، میرپور آزاد کشمیر
۳۔ محمد کاشف شفیق، کراچی
۴۔ نادیہ ملک، لاہور
۵۔ طلال ناصر، کراچی
۶۔ ریحان شاکر، اوکاڑہ
۷۔ سید نعمان علی، حیدرآباد
۸۔ عنایت عزیز قریشی، کوٹلی آزاد کشمیر
۹۔ انوشا محمد، لاہور

پارکر قلم

۱۔ محمد جنید، سکھر
۲۔ محمد جمال، رسالپور

گھڑیاں

۱۔ حسن اشرف فیصل آباد
۲۔ عثمان عنبر، عثمان قاضی آباد
۳۔ محمد عارف، کروڑ لعل عیسن
۴۔ عمر فاروق، کوٹ ادو
۵۔ محمد زاہد، حیدرآباد
۶۔ حبیب الرحمٰن، اسلام گڑھ آزاد کشمیر
۷۔ آصف احمد فاروقی کراچی
۸۔ عمر فاروق، راولپنڈی
۹۔ محمد اسماعیل، میانوالی
۱۰۔ مصطفےٰ عمران، کراچی
۱۱۔ آصف رفیق، بوریوالہ
۱۲۔ فہد افتخار، لاہور
۱۳۔ محمد ریحان الدین، کراچی
۱۴۔ عبدالباسط، کراچی
۱۵۔ جویریہ نثار، پشاور
۱۶۔ دانش، اسلام آباد۔

امپورٹڈ پینسلز جیومیٹری بکس

۱۔ محمد آصف، شیخوپورہ
۲۔ خرم مجید، لاہور
۱۔ کنول بشیر، گجرات
۲۔ فیصل حسن، کراچی
۳۔ اشفاق احمد، پشاور
۴۔ ثوبیہ انور، کراچی
۵۔ نوید احمد، رینالہ خورد

خوبصورت قلم

۱۔ عرفان احمد قریشی، لاہور
۲۔ ذیشان ملک، جہلم
۳۔ طوبیٰ وحید، لاہور
۴۔ زاہد وسیم درانی، بنوں
۵۔ سعدیہ ارم شہداد پور
۶۔ آصف انعام، حیدرآباد

کورین بال پوائنٹس

۱۔ عارف ظفر، گوجرانوالہ
۲۔ نعمان اشرف، اسلام آباد
۳۔ شیراز عارف، گوجرانوالہ
۴۔ عزیز احمد بیگ، کراچی
۵۔ فاران احمد، لاہور
۶۔ سید محمد کاشف رضا، کراچی
۷۔ محمد عثمان خان، راولپنڈی
۸۔ عظیم انجم، کراچی
۹۔ رابعہ گل، ملتان
۱۰۔ ریحانہ، کراچی

گواہی

عنایت علی خاں

یوں تو دن نکلے اب خاصی دیر ہو چکی تھی۔ بستی کے سردار اپنے اپنے بتوں کی پوجا کر کے عبادت خانے سے واپس بھی آ چکے تھے اور ان کے غلاموں نے روزانہ کی طرح ان کے لئے محنت مشقت بھی شروع کر دی تھی۔ گھروں کے اندر کنیزیں بھی سرداروں کی بیویوں کی خدمت میں مصروف ہو چکی تھیں۔

..... مگر ..... !

مگر وہ بڑھیا بستی کے ایک کچے مکان میں بستر پر پڑی تھی۔ وہ اپنی بیماری کی وجہ سے گھر سے نکل نہیں سکی تھی۔ گھر سے نکلنا تو دور کی بات تھی اس میں تو اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ بستر سے اٹھ کر دروازے تک پہنچ جائے۔ وہ کراہ کراہ کر کروٹیں بدل رہی تھی اور آپ ہی آپ کہہ رہ تھی۔ "ہائے ہائے ایک تو بڑھاپا، دوسرے بیماری، تیسرے اکیلاپن، معبود عزیٰ! کسی پر ایک ساتھ اتنی مصیبتیں نہ ڈالے ..... چار دن کی نگوڑی بیماری نے اپاہج کر کے بستر پر ڈال دیا..... ! معبود عزیٰ! اتنی طاقت تو دے دے کہ تیری خاطر دروازے تک تو پہنچ جاؤں !"

بڑھیا آج بھی چڑیوں کے چہچہوں کے ساتھ جاگ اٹھی تھی۔ مگر کمزوری کے سبب اپنے بستر سے

اٹھ نہیں پا رہی تھی۔ اسے گزشتہ روز سے بخار تھا جو دوا نہ ملنے کی وجہ سے تیز ہوتا چلا جا رہا تھا..... اس نے کل سے کچھ کھایا بھی نہیں تھا، بخار کی گرمی سے اس کا حلق خشک ہو رہا تھا..... مگر اسے دوا کی پروا تھی نہ کھانے پینے کا ہوش، دھن تھی تو بس ایک کہ کسی طرح چند قدم چل کر دروازے تک جا سکے اور اب جیسے جیسے دھوپ چڑھتی جا رہی تھی اس کی بے چینی میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔

اس نے ایک بار پھر بستر پر مضبوطی سے کہنیاں ٹکا کر اٹھنا چاہا، مگر کمزوری سے چکر آ گیا اور وہ بے بس ہو کر گر پڑی۔ اس نے سوچا پڑوسن کو مدد کے لئے بلاؤں۔ زور سے پڑوسن کو آواز دی!

"پڑوسن..... اے بی پڑوسن.....! ذرا دو منٹ کو ادھر آئیو!" جواب کے انتظار میں تھوڑی دیر رکی، پھر اور زور سے پوری قوت سے چیخی! "ارے روٹی ووٹی نہیں مانگ رہی، ذرا کھڑے کھڑے آجا، مجھے دروازے تک لے چل۔"

کمزوری کے باوجود اس کی آواز اتنی اونچی تھی کہ چھوٹا سا آنگن اور نیچی سی دیوار پار کر کے پڑوسن کے کانوں میں پہنچ ضرور گئی ہوگی۔ مگر اس بار بھی اُدھر سے کوئی جواب نہیں آیا۔ بڑھیا نے پھر اپنے آپ سے کہنا شروع کیا!

"دیکھو کیسا زمانہ آ گیا ہے! سب مطلبی ہو گئے ہیں..... دو قدم چل کر آ جاتی تو اس کے پاؤں گھس جاتے..... ! میں کوئی کھانے کو مانگ رہی تھی..... معبود عزیٰ میرے ہاتھ پاؤں چلتے رکھے..... میں نے تو میاں کے مرنے کے بعد بھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پسارا، نوکری چاکری کر کے پیٹ پالا..... آج اگر وہ زندہ ہوتا!..... شرابی تھا، جواری تھا، جیسا بھی تھا..... میرا سہارا تو تھا..... آج ہوتا تو کیا سہارا دے کر دروازے تک نہیں پہنچاتا.....؟ اس کے مرنے کے بعد تو بستی کے سرداروں نے مجھے لونڈی ہی بنا لیا..... چلو سردار کا کوئی غلام ہی مجھے بلانے آ جائے، اسی کے سہارے دروازے تک پہنچ جاؤں!"

مگر اس کے ظالم آقا کو بھی شاید اس کمزور بڑھیا کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے گلی میں کسی کے قدموں کی آواز ضرور سنی مگر یہ تو پھیری لگا کر سبزی بیچنے والا تھا جو آواز لگا رہا تھا۔

"سبزی لے لو تازہ سبزی۔"

"لو بس سبزی والا بھی آ گیا!..... بس وہ سبزی والے کے پیچھے پیچھے ہی تو آتا ہے! سبزی والے ہی کو نہ بلا لوں! ذرا سہارا دے کر دروازے تک ہی تو جانا ہے۔"

مگر اس سے پہلے کہ بڑھیا سبزی والے کو سہارے کے لئے بلاتی کوٹھڑی کی چھت سے کوّے کی خاص انداز کی آواز سنائی دی۔ کوّے کی "کائیں کائیں" سن کر اس کے کمزور جسم میں جیسے جان آ گئی۔ وہ سمجھتی تھی کہ کوّا اس طرح بولے تو گھر میں مہمان آتے ہیں۔ وہ سمجھی اسکے معبود عزیٰ نے کسی کو بھیجا ہے..... مگر جب کوّے کے بولنے پر بھی کوئی نہیں آیا تو اسے غصہ آ گیا۔ تیزی سے بڑبڑانے لگی۔

"نہیں بھیجتا تو نہ بھیجے میرا کیا ہے؟ اسی کا دشمن ہے...... "ہاں! میری کیوں سننے لگا! سرداروں کی سنے گا۔ " چڑھاوے چڑھانے والوں کی سُنے گا۔ بھروں کو اور بھرے گا...... مجھ کنگلی کی اُسے کیا پرواہ ہے......"

"کائیں، کائیں، کائیں!" کوّے کی آواز ایک بار پھر اسی انداز سے آئی۔

"چپ ہو جا، بدبخت! معبود عزیٰ بہرا ہو گیا ہے، نہ تیری سنتا ہے نہ میری" وہ اس طرح بولی جیسے کوّا اس کی بات سن بھی رہا ہو اور سمجھ بھی رہا ہو۔ مگر جب کوّا تیسری بار اسی انداز سے بولا تو اس مرتبہ اس کی "کائیں، کائیں" میں کسی کی دستک کی آواز بھی شامل ہو گئی۔ بڑھیا نے بے تابی سے کہا!

"آجاؤ!! آجاؤ! جلدی سے آجاؤ...... اور مجھے سہارا دے کر دروازے تک لے چلو! میں محمدؐ کے راستے میں کانٹے ڈالنا چاہتی ہوں! ایسا نہ ہو کہ آج وہ میری گلی سے آرام سے گزر جائے۔

بڑھیا کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ جسے وہ گھر میں بلا رہی ہے وہ وہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں جن کے راستے میں وہ روزانہ کانٹے ڈالتی رہی ہے اور اللہ کے نبی نے جب انتہائی ہمدردی سے اس کی خیریت پوچھی تو بڑھیا حیران رہ گئی۔ وہ سوچنے لگی!

"یہ وہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں؟............!! وہی، جن کے راستے میں، میں روزانہ کانٹے ڈالتی ہوں......!! مگر، مگر، یہ تو میری خیریت پوچھنے آئے ہیں۔ ان کے لہجے میں کیسی مٹھاس ہے کیسی ہمدردی ہے!............ میں نے تو کبھی اپنے آقا کے بچّوں کو اپنی سگی ماؤں سے بھی ایسی محبت سے باتیں کرتے نہیں سنا! بستی کے بڑے بڑے سرداران کے لئے کہتے ہیں یہ شخص ہمارا دشمن ہے...... ہمارے بتوں کا دشمن ہے...... مگر، مگر یہ میرے دشمن ہوتے تو میری بیمار پرسی کے لئے کیوں آتے؟ مجھے اتنی محبت کیوں دیتے؟ بالکل بیٹے کی سی محبت...... نہیں نہیں اس سے بھی زیادہ! سگے بیٹوں سے بھی زیادہ! یہ لات و عزیٰ کے دشمن ہوں تو ہوں میرے دشمن نہیں ہو سکتے............!

"مجھے عزیٰ سے کیا لینا ہے...... اس نے مجھے کیا دیا ہے؟ میرے تو یہ ہیں، مگر یہ ہیں تو وہی نا............! کہیں مجھے دھوکہ تو نہیں ہو رہا؟"

پھر اس نے اپنی آنکھوں کو ملا پھر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوئی! تم، تم، تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی ہو نا؟۔" اور جب اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ وہ اللہ کے بندے اور پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی ہیں اور پڑوسیوں سے اس کی بیماری کی خبر سن کر اس کی خیریت پوچھنے آئے ہیں تو بڑھیا کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ یہ آنسو شرمندگی کے تھے یا احسان مندی کے یا دونوں کے! اس نے جذبات سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا...... میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ...... میرے مہربان آقا!...... آپ اللہ کے سچے نبی ہیں اور قریش کے ظالم سردار جھوٹے ہیں۔"

Without a shadow of doubt
دھنک کے رنگ   لذت کے سنگ
قومی مشروب
نورس کیا خوب
Naurus
Naturally
National

آدمی نے آدمی تخلیق کر کے رکھ دیا

روبوٹ کی تخلیق
انسان کا کمالِ فن

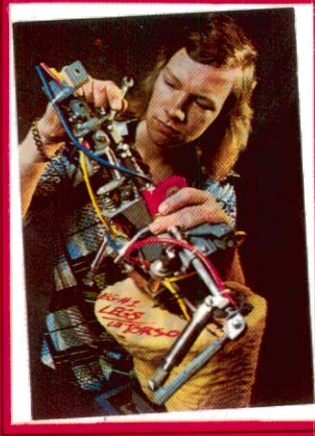

نوجوان سائنس دان کارنر بونٹ ایک روبوٹ بناتے ہوئے

ہم آگئے تو گرمیٔ بازار دیکھنا

روبوٹ ــــ بازار اور سراپا حیرت لوگ

ریڈیو سگنل کے
ذریعے سکورا کا حکم
قالین صاف کرو
سر پر لگے انٹینا سے
سگنل موصول ہوتے
ہی حکم کی تعمیل ہوگئی

ہے میاں روبوٹ کا بس ایک کام
وہ رہے بن کر اشاروں کا غلام

مہوش شکیل

انسان کے اندر ایک بہت ہی بڑی خواہش پائی جاتی ہے اور وہ یہ کہ وہ دوسروں کو اپنا غلام بنانا چاہتا ہے اس کی تمنا ہے کہ دنیا کے تمام لوگوں پر اس کا حکم چلے اور کوئی بھی اس کی حکم عدولی نہ کرے۔ انسان کی اس خواہش نے ہزاروں برس تک کمزور قوموں کو طاقت ور قوموں کا غلام رکھا ہے۔ تاہم انسان اب اتنا باشعور ہو گیا ہے کہ وہ اپنے جیسے انسانوں کی غلامی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ چنانچہ انسان اپنی حکم چلانے کی خواہش کی تکمیل کے لئے ایسے مشینی انسان بنانے لگا ہے جو اس کے ہر حکم پر عمل کرتے ہیں۔ سائنس کی اصطلاح میں انہیں روبوٹ کہتے ہیں۔ مگر جناب ہم تو انہیں اشاروں کے غلام کہنا ہی پسند کریں گے۔

اس وقت دنیا بھر میں روبوٹوں سے مختلف اقسام کے کام لئے جا رہے ہیں مثال کے طور پر ترقی یافتہ ممالک میں روبوٹ صنعتی اداروں میں ویلڈنگ وغیرہ کا کام کرتے ہیں۔ کچھ روبوٹ خطرناک کام بھی کرتے ہیں جیسے دھماکہ خیز مادوں کی دیکھ بھال۔ اسی طرح کچھ روبوٹ سمندر کے اندر تحقیقی کام میں انسان کی مدد کرتے ہیں۔ جبکہ کچھ روبوٹ خلائی جہازوں کے ساتھ خلا میں بھی جا چکے ہیں۔

سائنس دانوں کا خیال ہے کہ ایک دن آئے گا جب روبوٹ گھر کے عام کام کاج کیا کریں گے۔ مثلاً اپنے مالک کا ناشتہ بنا کر دینا یا اس کے بچوں کو ہوم ورک کرنے میں مدد دینا۔

برابر کے رنگین صفحہ پر آپ جس روبوٹ کی تصاویر دیکھ رہے ہیں اس کا نام اروک ہے اور اسے ایک امریکی شخص بین سکورانے تخلیق کیا ہے۔ بین نے اروک کو عام روبوٹوں کے برعکس انسانی شکل و صورت اور جسم دیا ہے۔ اروک کے چھ پاؤں ہیں اور اس کا وزن ۲۷۰ پونڈ ہے۔ اس کی تخلیق میں تین برس صرف ہوئے۔ اروک مختلف کام کر سکتا ہے جیسے دستک پر اندر سے جواب دینا۔ گھر کا کوڑا کرکٹ باہر پھینکنا۔ بین نے اروک کے دماغ کی جگہ ایک کمپیوٹر فٹ کیا ہوا ہے جبکہ دل کی جگہ پر کار کی دو بیٹریاں رکھی ہوئی ہیں جن سے اروک چلتا ہے۔

خیال ہے کہ آئندہ برسوں میں انسان ایسے

روبوٹ بنانے میں کامیابی حاصل کر لے گا جو انسان کے لئے اور بہت سے انسانی کام انجام دیں سکیں گے۔ خاص طور پر ایسے کام جن کو کرتے ہوئے ہم بوریت محسوس کرتے ہیں۔

بعض انسان بھی روبوٹ کی طرح ہوتے ہیں۔ یعنی ان میں احساسات اور جذبات نہیں ہوتے اور وہ دوسروں کے اشاروں کے غلام ہوتے ہیں۔ یاد رکھئے اچھا انسان نہ تو کسی دوسرے کو اپنا غلام بناتا ہے اور نہ خود کسی کا غلام بنتا ہے بلکہ وہ تو خود اپنا یعنی اپنی بُری خواہشوں کا غلام بھی نہیں بنتا۔ ذرا غور سے دیکھئے آپ انسان ہیں یا روبوٹ ؟

تلاش کیجئے

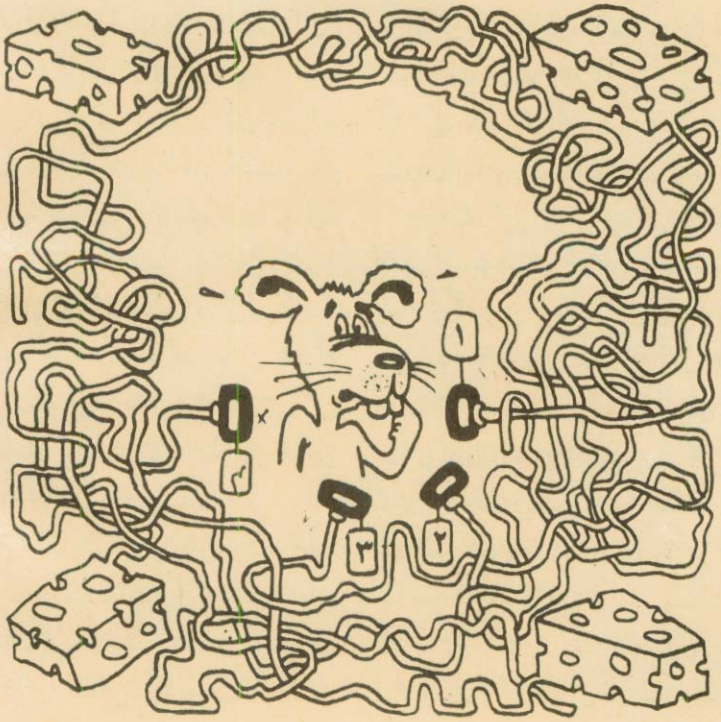

کون سی رسی پنیر سے بندھی ہوئی ہے

ایک تھا بادشاہ

طاہر مسعود

کسی زمانے میں ایک ملک پر ایک بادشاہ حکومت کیا کرتا تھا۔ رعایا اس سے تنگ تھی لیکن مجبور بھی تھی۔ کرتی تو کیا کرتی۔ بادشاہ کا دربار خوشامدیوں سے بھرا رہتا تھا۔ اس کے وزیر، سفیر، مشیر سبھی خوشامدی اور چاپلوس تھے۔ وہ بادشاہ کی ہر بات اور ہر حکم پر بس "جی حضور" "بجا ارشاد فرمایا حضور" کیا کرتے تھے۔ بادشاہ کو صحیح مشورے دینے والے بہت پہلے ہی پھانسی پر چڑھائے جا چکے تھے۔ اسی لئے اب اسے کوئی صحیح مشورہ دینے کی جرأت بھی نہیں کرتا تھا۔ بادشاہ کو مشورہ دینے کی یا اس سے اختلاف کرنے کی کسی میں ہمت تھی تو وہ ملکہ عالیہ تھیں۔ جنہیں اپنے بناؤ سنگھار سے ہی کہاں فرصت تھی بادشاہ کو اپنے ملک میں

بس دو ہی چیزوں سے محبت تھی جس کے لئے وہ ہر قسم کی قربانی دے سکتے تھے۔ ایک اپنے اقتدار سے دوسرے ملکہ عالیہ سے۔ ملکہ عالیہ سے انہیں اس لئے پیار تھا کہ یہ حکومت ملکہ عالیہ کے ابّا حضور نے جہیز میں دی تھی۔ ملکہ عالیہ کے ابّا حضور اپنے زمانے کے مشہور فاتح حکمران تھے۔ اور اس ملک کو انہوں نے بزور شمشیر حاصل کیا تھا اور پھر اپنی چہیتی بیٹی کے شوہر کو بادشاہ بنا کر خود اپنے ملک کو لوٹ گئے تھے۔ ان کی ابھی دو تین بیٹیاں اور تھیں جن کے لئے انہیں اتنے ہی ملک فتح کرنے تھے۔ بادشاہ سلامت کے سسر نے رخصت ہوتے ہوئے انہیں چند نصیحتیں کی تھیں۔

جن میں پہلی نصیحت تو یہ تھی کہ بیٹا رعایا کو ہمیشہ پریشان رکھنا، مہنگائی کے ذریعے ناانصافی کے ذریعے، ظلم اور تشدد کے ذریعے ..... کیونکہ پریشان حال رعایا ہمیشہ فرمانبردار ہوتی ہے۔

دوسری نصیحت یہ تھی کہ رعایا کے اندر جب نفرت اور خونریزی ہو تو کبھی اسے ختم کرانے کی کوشش نہ کرنا بلکہ شرپسندوں کی ہر ممکن حوصلہ افزائی کرنا کیونکہ اس طرح رعایا کی نفرت بادشاہ کے حصے میں آنے کے بجائے آپس ہی میں بٹ جاتی ہے۔ لوگ ایک دوسرے کو مارتے کاٹتے ہیں اور بادشاہ الگ تھلگ بیٹھا چین کی بانسری بجاتا رہتا ہے۔ تیسری نصیحت یہ تھی کہ اپنے دربار میں اپنے سارے وزیر اور مشیر چُن چُن کر ایسے لوگوں کو مقرر کرنا جو نااہل اور نکمّے ہوں ..... کیونکہ نااہل اور نکمّے وزیر وفادار ہوتے ہیں اور کبھی بادشاہ کو اس کی گدی سے اتارنے کا نہیں سوچتے۔

بادشاہ نے اپنے سسر صاحب کی تینوں نصیحتیں گرہ میں باندھ لی تھیں۔ اور ان ہی اصولوں کے مطابق حکومت کرتا تھا۔ اس سے رعایا اور ملک کی حالت تو پتلی ہوتی جاتی تھی لیکن بادشاہ بڑی عافیت میں تھا۔

ایک دن بادشاہ اپنا دربار سجائے بیٹھا تھا کہ سپاہی ایک مفلوک الحال نوجوان کو گھسیٹتے ہوئے دربار میں لائے۔ بادشاہ سلامت نے کڑک کر پوچھا کہ نوجوان کا جرم بتایا جائے کہ اسے کیوں ہمارے حضور پیش کیا گیا ہے۔ سپاہیوں کے افسر نے جو غالباً کسی علاقے کا ایس ایچ او تھا۔ دست بستہ عرض کیا کہ "حضور! یہ نوجوان بازار میں کھڑا آسمان کی طرف منہ اٹھائے روزانہ ایک عجیب و غریب دعا مانگتا ہے۔ یہ دعا ایسی ہے کہ زبان اس کو بیان کرنے سے عاجز ہے۔"

بادشاہ نے کہا: "بیان کیا جائے!"

ایس ایچ او نے عرض کیا: عالی جاہ! "جان کا خطرہ ہے۔"

بادشاہ نے کہا: "جان بخشی جاتی ہے۔"

ایس ایچ او نے کہا: "عالی جاہ! یہ نوجوان دعا مانگتا ہے: "اے خدا! میرا بادشاہ اندھا ہے اسے آنکھیں دے، میرا بادشاہ بہرا ہے اسے کان دے، !بادشاہ قید ہے اسے رہائی دے۔"

یہ سن کر بادشاہ نے نوجوان کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا: "اے بد بخت نوجوان تیرا وقت پورا ہو چکا ہے لیکن ہم تجھ سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ ہم تجھے اندھے، بہرے اور قیدی نظر آتے ہیں۔ حالانکہ ہم سے زیادہ دیکھنے والا، ہم سے زیادہ سننے والا اور ہم سے زیادہ آزاد اور خود مختار اس سلطنت میں اور کون ہے؟" نوجوان نے کہا: "اے بادشاہ! تو اندھا ہے کیونکہ لوگ بھوکے اور مفلس ہیں..... مگر تو نہیں دیکھتا۔ تو بہرا ہے کیونکہ تیری رعایا فریاد کرتی رہتی ہے..... مگر تو نہیں سنتا۔ تو قیدی ہے کیونکہ تو اپنی سلطنت کے دورے نہیں کرتا اور اپنے درباریوں میں گھسا بیٹھا رہتا ہے۔"

یہ جواب سن کر بادشاہ مسکرایا۔ (اس لئے کہ بادشاہ قہقہے نہیں لگاتے۔ قہقہہ تو پیارے بچو! صرف ہم اور تم جیسے عام آدمی لگاتے ہیں)۔ مسکرانے کے بعد اس نے کہا: "اے احمق نوجوان! یہ تو ہماری پالیسی ہے۔ ہماری حکومت اسی پالیسی کی وجہ سے آج تک چل رہی ہے اور کامیاب ہے۔"

اتنا کہنے کے بعد بادشاہ نے جلاّد کو حکم دیا کہ اس نوجوان کا سر قلم کر دیا جائے۔ لیکن ایسا کرنے سے پہلے اس کی آنکھیں نکالی جائیں اس لئے کہ اسے وہ کچھ نظر آتا ہے جو ہمیں نظر نہیں آتا۔ اس کے دونوں کان کاٹے جائیں کیونکہ اسے وہ آوازیں سنائی دیتی ہیں جو ہمیں سنائی نہیں دیتیں..... اور اسے ایک سال تک اندھیری کوٹھری میں بند رکھا جائے کہ یہ بابدولت کو قیدی ہونے کا طعنہ دیتا ہے۔

سپاہی نوجوان کو گھسیٹتے ہوئے دربار سے لے گئے اور اہل دربار نے بادشاہ کی انصاف پسندی کی داد دی۔ سب سے پہلے وزیر مال نے کورنش بجالا کر کہا: "جہاں پناہ! اس گستاخ نوجوان کے خلاف ہمارے دلوں میں بڑا سخت غصہ ہے۔ لیکن آپ کی انصاف پسندی سے ہم مطمئن ہیں..... ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ کی آنکھیں اور کان بالکل ٹھیک ٹھاک طریقے سے کام کر رہے ہیں۔ چونکہ یہ نوجوان رعایا کا نمائندہ ہے اس لئے میری وزارت نے رعایا کا مزاج درست رکھنے کے لئے مٹی کے تیل کی قیمتوں میں پچاس فیصد اضافے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس فیصلے کی منظوری کے لئے آپ کی اجازت درکار ہے۔"

بادشاہ نے سر کی جنبش سے اجازت دے دی۔

دربار برخواست ہونے کے بعد بادشاہ سلامت جب محل میں پہنچے تو بہت فکرمند تھے۔ انہوں نے شاہی دسترخوان پر بھی بمشکل چند لقمے زہر مار کئے اور اٹھ گئے۔ ملکہ عالیہ نے بادشاہ کو فکرمند پایا تو پوچھا:

"عالی جاہ! نصیب دشمناں مزاج تو بخیر ہے؟"

بادشاہ نے کہا: "ملکہ عالیہ آپ کا کیا خیال ہے کیا ہم ٹھیک سے دیکھ نہیں پاتے..... ٹھیک سے سن نہیں پاتے۔ کیا ہم درباریوں میں قید ہو کر رہ گئے ہیں؟"

ملکہ عالیہ بولیں: "حضور! یہ آج آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟"

بادشاہ نے جواب دیا: "ہم نے آج سے پہلے خود ایسی باتیں نہیں سنی تھیں۔ ہم نے تو صرف وہ سنا تھا جو

آپ کے ابّا حضور نے ہمیں سلطنت حوالے کرتے ہوئے سنایا تھا۔ " پھر بادشاہ نے ملکہ کو نوجوان کا سارا ماجرا بیان کیا۔ ملکہ عالیہ ذہین تھیں فوراً معاملے کی تہہ تک پہنچ گئیں کہ بادشاہ کے دل میں سچائی کا کانٹا جا کر چُبھ گیا ہے اور اب رہ رہ کر تکلیف دے رہا ہے۔ انہوں نے کہا. "حضور! میں ابھی ثابت کئے دیتی ہوں کہ آپ کی بینائی اور سماعت دونوں صحت مند ہیں۔ خدا نے چاہا تو آپ کا شبہ فوراً ہی دور ہو جائے گا۔ "

ملکہ بادشاہ سے چند گز دور جا کھڑی ہوئیں پھر انہوں نے اپنا ہاتھ بلند کیا اور پوچھا. "عالی جاہ! ذرا گِن کر تو بتائیے کہ میرے ہاتھ میں کتنی انگلیاں ہیں؟۔ "

بادشاہ نے گِنا اور کہا. "پانچ!"

"بالکل ٹھیک" ملکہ عالیہ خوشی سے چلّائیں۔ "اچھا اب ذرا سنئے تو سہی کہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔ "

بادشاہ نے دھیان سے سننے کی کوشش کی لیکن انہیں صرف ملکہ کے ہلتے ہوئے لب دکھائی دیئے آواز سنائی نہیں دی۔ تب انہوں نے بڑی بے بسی سے کہا. "ملکہ! ہم تک آپ کی آواز نہیں پہنچ رہی ہے۔ " ملکہ مسکرائی. "بادشاہ سلامت!" ملکہ نے کہا. "جب میں کچھ بول ہی نہیں رہی تو آپ سنیں گے کہاں سے؟ "

اور یوں ملکہ عالیہ بادشاہ کے دل سے سچائی کا چُبھا ہوا کانٹا نکالنے میں کامیاب ہوئیں۔ لیکن چند ہی دنوں بعد بادشاہ کو خیال آیا کہ ملکہ نے ان کے دل سے آخری شبہ دور نہیں کیا۔ یعنی یہ کہ وہ دربار کے قیدی نہیں ہیں بلکہ آزاد سلطنت کے آزاد بادشاہ ہیں۔ محل میں پہنچ کے انہوں نے ملکہ کو یاد دلایا۔

ملکہ عالیہ نے کہا. "حضور! نوجوان کی آخری بات سچی تھی۔ آپ واقعی اپنے خوشامدی درباریوں میں گھِر کر رہ گئے ہیں۔ آپ کی رعایا جیسی بھی ہے لیکن آپ کو اس سے رابطہ رکھنا چاہئے۔ "

"مجھے اس کے لئے کیا کرنا چاہئے ملکہ عالیہ۔ " بادشاہ سلامت نے پوچھا۔

"آپ کو رعایا کو ایک جگہ جمع کرنا چاہئے۔ انہیں اپنا درشن کرانا چاہئے اور انہیں اپنے خطاب سے نوازنا چاہئے۔ "

بادشاہ نے سلطنت میں منادی کرادی کہ بادشاہ سلامت فلاں روز رعایا کو اپنا درشن کرائیں گے اور اپنے خطاب سے بھی نوازیں گے۔

رعایا میں ہلچل مچ گئی۔

مقرّرہ روز ایک وسیع و عریض میدان میں رعایا جمع ہوئی...... بادشاہ سلامت کے لئے ایک بہت ہی اونچا اسٹیج تیار کرایا گیا۔ بادشاہ کی حفاظت کے لئے سارے ضروری انتظامات بھی کئے گئے۔

جب بادشاہ سلامت اسٹیج پر جلوہ افروز ہوئے اور انہوں نے نگاہ نیچی کر کے اپنی رعایا پر ڈالی تو ان کے دل میں کچھ ہونے لگا۔ بہت نیچے ایک عجیب و غریب مخلوق بیٹھی تھی، بھوکی ننگی، باہر کو نکلے ہوئے پیٹ والی، مدقوق، بیمار، اپنی خالی خالی آنکھوں سے اپنے بادشاہ کو دیکھ رہی تھی۔

وزیر مال کی کرسی بادشاہ کے عقب میں تھی۔ بادشاہ نے پوچھا: "وزیر مال! کیا رعایا ایسی ہے جیسی یہ مجھے نظر آرہی ہے؟"

"وزیر مال نے کہا: "نہیں حضور! رعایا کی حالت اس سے کہیں بہتر ہے۔"

بادشاہ نے کہا: "رعایا ننگی کیوں ہے؟"

وزیر نے جواب دیا: "حضور موسم گرم ہے اس لئے رعایا نے کپڑے نہیں پہنے ہیں۔"

بادشاہ نے پوچھا "رعایا کے ہر آدمی کا پیٹ آگے کو کیوں نکلا ہوا ہے؟"

وزیر نے جواب دیا: "جہاں پناہ! موسم گرم ہے اس لئے رعایا خوب سارا پانی پی کر آئی ہے"۔

بادشاہ نے پوچھا "رعایا اتنی بیمار، اتنی فاقہ زدہ اور اتنی تباہ حال کیوں لگ رہی ہے؟"

وزیر نے جواب دیا: "حضور گستاخی معاف۔ یہ تو ہماری حکومت کی پالیسی ہے۔ کیا آپ بھول گئے ہیں کہ آپ کے سسر نے آپ کو کیا نصیحت کی تھی؟"

بادشاہ چونک پڑا: "ہاں..... یہ تو ہم بھول ہی گئے تھے۔"

اس رات بادشاہ کو نیند نہ آسکی۔ اس نے پہلے کبھی رعایا کو نہیں دیکھا تھا۔ اب جو دیکھا تو بار بار رعایا نظروں کے سامنے پھر رہی تھی۔ بادشاہ اب چپ چپ رہنے لگا تھا۔ وزیر، امیر، سفیر، مشیر سبھی تاڑ گئے کہ رعایا سے ملنے کے بعد بادشاہ کی ذہنی کیفیت بدل گئی ہے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور پھر یہ طے پایا کہ ملکہ عالیہ سے درخواست کی جائے کہ بادشاہ سلامت ہر ہفتے رعایا کو ایک بار اپنا درشن ضرور کرائیں۔

بادشاہ سلامت تیار ہوگئے۔ اور حیرت انگیز طور پر چند مہینوں میں بادشاہ سلامت ذہنی طور پر بالکل نارمل ہوگئے۔ رعایا کو دیکھ دیکھ کر وہ اس کے عادی ہوگئے تھے۔ انہیں احساس رہتا تھا کہ رعایا ایسی ہی ہوتی ہے۔ اور بادشاہوں کو زیب نہیں دیتا کہ وہ ان کی فکر میں دُبلے ہوں۔

پیارے بچّو! کہنے والے کہتے ہیں کہ وہ بادشاہ اب بھی اس ملک پر مزے سے حکومت کرتا ہے۔ ملک میں لُوٹ کھسوٹ عام ہے۔ رعایا ایک دوسرے کو مارتی کاٹتی ہے، مہنگائی بڑھتی جاتی ہے۔ اور بادشاہ اس کے سوا کچھ نہیں کرتا کہ بڑے بڑے جلسے کرتا ہے۔ رعایا کو اپنے درشن کراتا ہے اور بھاشن دیتا ہے۔ ملکہ عالیہ ملک کے بڑے تاجروں سے تحفے تحائف وصول کرتی ہیں اور اپنے ذاتی خزانے کا منہ بھرتی جاتی ہیں۔ اور مؤرخ جو بادشاہ کا تنخواہ دار ہے، ملک میں چین ہی چین لکھتا ہے۔

پیڑ پودے

زندہ ہیں اس طرح کے غم زندگی نہیں

شین فاروق

فطرت کی دنیا میں گزشتہ ماہ آپ نے درختوں اور پھولوں سے متعارف ہوئے تھے۔ اس بار ہم آپ کو مختلف اقسام کے سادہ پودوں سے ملانے کے علاوہ یہ بھی بتائیں گے کہ پودے زندہ کس طرح رہتے ہیں؟

دیکھیں تاہم جن چیزوں سے محبت کرتے ہوں ان کے بارے میں ہمیں یہ تو ضرور ہی معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کس طرح زندگی گزارتی ہیں؟ تو پہلے کچھ سادہ پودوں سے مل لیا جائے۔ بیچارے نہ جانے کب سے آپ سے ملنے کے منتظر ہیں۔

آپ یہ تو جانتے ہی ہوں گے کہ تمام جاندار اشیاء چھوٹے چھوٹے خلیوں سے مل کر بنی ہوتی ہیں۔ ان میں سے بعض جانداروں کے خلیے تو اتنے ننھے منے ہوتے ہیں کہ آپ ان کو خوردبین کے ذریعہ ہی دیکھ سکتے ہیں۔ یہ سادہ پودے جن سے آپ کا تعارف ہونے ہی والا ہے۔ ایک خلیئے یا بس چند خلیوں سے مل کر بنتے ہیں۔ یہ سادہ پودے Fungi یعنی کھمبی کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں زردی مائل سلیٹی کھمبی (جو ڈبل روٹی بنانے میں کام آتی ہے) Algae یعنی سمندری گھاس یا کائی، پیڑپودوں پر جمنے والی کائی اور Lichens یعنی کائی نما گھاس شامل ہیں۔

کھمبی:- (FUNGI)

کھمبی دراصل سادہ پودوں کے اس خاندان کا نام ہے جن میں پھپھوندی زردی مائل سلیٹی کائی، عام سانپ کی چھتری، زہر آلود سانپ کی چھتری اور گنبد نما کھمبی شامل ہیں۔ کھمبی خاندان کے پودے دوسرے پودوں سے اس اعتبار سے مختلف ہیں کہ یہ اپنی غذا خود حاصل نہیں کرتے۔ اس کے برعکس یہ دوسرے زندہ یا مردہ پودوں کی غذا کے طور پر کام آتے ہیں۔ یہ پودے درختوں کے پتّوں اور زندہ پودوں کی جڑوں وغیرہ پر اگ آتے ہیں۔ کچھ سادہ پودے جن پودوں پر اگتے ہیں انہیں بھی نقصان پہنچاتے ہیں۔ یعنی بعض انسانوں کی طرح جس تھالی میں کھاتے ہیں اسی میں چھید کرتے ہیں۔ تاہم اس کے برعکس اکثر کھمبی پودے ان پودوں کی نشوونما میں مدد ہی دیتے ہیں۔ یہ پودے اپنے اثرات سے مردہ پودوں کو غذا میں تبدیل کر دیتے ہیں اور پھر یوں مردہ پودے زندہ پودوں کی غذا کے طور پر کام آتے ہیں۔

ہر کھمبی باریک اور ننھے منے تاروں جیسے خلیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ تار آپس میں گتھے ہوتے ہیں۔ پھپھوندی میں یہ باریک تار یا ریشے واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ مگر دوسری کھمبیوں میں یہ تار آپس میں الجھے ہوئے ہوتے ہیں۔ عام طور پر یہ باریک تار کچھ دھبے سے پیدا کرتے ہیں اور یہ دھبے آگے چل کر نئی کھمبی میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ زردی مائل سلیٹی کھمبی صرف ایک خلیہ پر مشتمل ہوتی ہے اور یہ عام طور پر ایک خاص وقت کے بعد دو حصّوں میں تقسیم ہو کر نئی زردی مائل سلیٹی کھمبیوں کی پیدائش کا سبب بنتی ہے۔

مختلف پودوں کی پتیوں پر آپ نے اکثر کالے کالے دھبے ضرور دیکھے ہوں گے۔ اسی طرح زنگ اور پیڑپودوں کو لگ جانے والے کیڑے سے بھی آپ واقف ہوں گے۔ یہ سب دراصل کھمبی ہی کی اقسام ہیں۔ چونکہ یہ کھمبی پیڑپودوں کو نقصان پہنچاتی ہے۔ اس لئے کسان اسے ہلاک کرنے کے لئے پیڑپودوں

پزہریلی ادویات چھڑکتے ہیں۔ سڑے ہوئے کھانوں پر جم جانے والی پھپھوندی بھی کھمبی کی ایک قسم ہے۔ شاید آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ پھپھوندی کو بہت سی ادویات اور بیئر نام کی شراب بنانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ سانپ کی چھتریاں تو آپ نے ضرور ہی دیکھی ہوں گی، جیسا کہ ہم نے مضمون کی ابتداء میں عرض کیا ہے یہ دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک عام اور دوسری زہریلی، عام سانپ کی چھتریاں الٹے توے کی طرح ہوتی ہیں اور زہریلی چھتری ڈش اینٹینا کی طرح۔ کھمبی کا بیشتر حصہ زیرِ زمین رہ کر مردہ پودوں کے بچے کھچے حصوں کو غذا فراہم کرتا رہتا ہے۔

وہ تمام پودے جو اپنی غذا خود حاصل کرتے ہیں ہرے ہوتے ہیں۔ کھمبی چونکہ اپنی غذا خود حاصل نہیں کرتی اس لئے وہ کسی بھی رنگ میں ہو سکتی ہے۔ یہ لال بھی ہو سکتی ہے اور بھوری بھی اور سفید بھی۔

سمندری کائی یا گھاس (Algae)

Algae یعنی سمندری کائی یا گھاس پودوں کے اس خاندان کو کہتے ہیں جس میں سمندر گھاس اور تالابوں میں اگنے والی گھاس اور کائی شامل ہیں۔ ہر Algae میں ایک ہرا روغن ہوتا ہے جسے کلوروفل کہتے ہیں۔ اس روغن کے باعث پودے سبز ہوتے ہیں۔ تاہم بہت سے سمندری گھاسوں میں دوسرے رنگ کے پودے بھی ہوتے ہیں۔ جیسے لال، بھورے وغیرہ۔

سمندری کائی یا گھاس کی نسل سے تعلق رکھنے والے پودوں کی دلچسپ ترین بات یہ ہے کہ یہ طویل القامت بھی ہوتے ہیں اور انتہائی ننھے منے بھی۔ مثال کے طور پر ایک سمندری گھاس ایک ملی میٹر کے ۱۰۰ ویں حصّہ کے برابر ہوتی ہے اور ساٹھ میٹر لمبی بھی۔

دوسرے پودوں کی طرح ان پودوں کو بھی زندہ رہنے کے لئے پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان پودوں میں چونکہ پانی پینے کا راستہ نہیں ہوتا اس لئے یہ پودے سمندر، جھیل یا تالاب میں تیرتے رہتے ہیں اور وہاں موجود نمی کو اپنے مخصوص مساموں کے ذریعہ اپنے اندر جذب کرتے رہتے ہیں۔ بسا اوقات یہ پودے بڑی تیزی کے ساتھ بڑھتے ہیں اور پانی کو ہرا یا لال بنا دیتے ہیں۔

کائی گھاس (Lichen)

یہ پودوں کی وہ قسم ہے جو دیواروں یا پتھروں کی تہوں یا ریخوں میں نشو و نما پاتے ہیں۔ تاہم یہ پیڑ پودوں اور زمین پر بھی اگتے ہیں۔ یہ عام طور پر پتیوں کی طرح لگتے ہیں۔

مزے کی بات یہ ہے کہ یہ پودا دو پودوں پر مشتمل ہوتا ہے یعنی Two in one ہوتا ہے۔ اس کا ایک حصّہ کھمبی پر مشتمل ہوتا ہے اور دوسرا سمندر گھاس یا کائی پر۔ سمندر گھاس والا حصہ کھمبی والے حصہ کو غذا مہیا کرتا ہے جس کی مدد سے وہ کلوروفل بنانے کے قابل ہوتا ہے، جبکہ کھمبی گھاس والے حصہ کو نمی اور

تحفظ فراہم کرتی ہے۔ اسی نمی کے باعث یہ پودا پتھروں تک پر اگ آتا ہے۔ البتہ یہ پودا دھویں والی فضا میں نہیں اگتا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ صرف گاؤں دیہات میں نظر آتا ہے شہروں میں نہیں۔

پیڑ پودے کس طرح زندہ رہتے ہیں؟

جس طرح ہمیں زندہ رہنے کے لئے پانی، ہوا اور غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح پیڑ پودوں کو بھی ان چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہاں اکثر پیڑ پودوں کو زندہ رہنے کے لئے ایک اور چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ روشنی کی۔ پودے روشنی سے بھی غذا حاصل کرتے ہیں۔

جڑوں والے پیڑ پودے اپنی جڑوں کے ذریعہ زمین سے غذا حاصل کرتے ہیں۔ پانی حاصل کرنے کے لئے پیڑوں کی جڑیں زمین کے اندر دور تک پھیل جاتی ہیں۔ تاہم بغیر جڑوں والے پودے جو پانی کے اندر یا نمی والے علاقوں میں پائے جاتے ہیں زندہ رہنے کے لئے فضا سے نمی حاصل کرتے ہیں۔ پانی کے اندر کئی طرح کی معدنیات موجود ہوتی ہیں ان میں کیلشیم بھی شامل ہے۔ کیلشیم پودوں کی نشوونما کرتا ہے۔ تاہم پودے بنیادی طور پر پانی سے غذا حاصل کرتے ہیں اور غذا حاصل کرنے کا یہ کام پتیوں کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔

اگر آپ کسی پودے کو کھڑکی کے پاس رکھ دیں تو اس کا منہ خود بخود روشنی کی طرف ہو جائے گا۔ ایسا اس لئے ہو گا کہ پودا روشنی کے ذریعہ سے بھی غذا حاصل کرتا ہے۔ پودے کی پتیاں ہوا سے کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس حاصل کرتی ہیں اور یہ کاربن ڈائی آکسائیڈ پتیوں میں موجود پانی کے ساتھ مل کر شکر اور نشاستہ پیدا کرتی ہے۔ (یہ کاربن ڈائی آکسائیڈ وہی ہوتی ہے جو آپ کے سافٹ ڈرنکس کی بوتلوں کے ڈھکن کھلتے ہی نکلتی ہے۔)

پودے کی پتیوں میں بننے والی شکر اور نشائستہ دراصل پودے کی غذا ہے۔ جن پودوں کی پتیاں نہیں ہوتیں ان میں غذا بننے کا عمل جڑوں میں رونما ہوتا ہے۔ غذا ایک محلول کی صورت میں ہوتی ہے۔ یہ محلول پودے میں موجود پانی کے ساتھ مل کر ایک خاص رس بناتا ہے۔ اگر آپ نے کبھی کسی پودے کی شاخ کو توڑا ہو گا تو اس رس کو دھیرے دھیرے رستے ہوئے ضرور دیکھا ہو گا۔ یہ رس بہہ بہہ کر پودے کی جڑ میں جمع ہو جاتا ہے اور بہ وقت ضرورت پودے کی غذا کے طور پر کام کرتا ہے۔

پودے زمین کے اوپر اور پانی کے اندر سانس بھی لے سکتے ہیں اور غذا بھی۔ دن کے وقت پودے آکسیجن پیدا کر کے ہوا میں چھوڑتے ہیں۔ یہ آکسیجن پانی میں جا کر مچھلیوں اور دیگر جانداروں کو سانس لینے میں مدد دیتی ہے۔

یہ بات ہم آپ کو "فطرت کی دنیا" کے سلسلہ کے پہلے مضمون "پیڑ پودوں کا جہاں" میں بتا چکے۔

کہ کھمبی کی نسل کے پودے کلوروفل کے حاصل نہ ہونے کے باعث مردہ پودوں اور جانداروں پر اگ کر انہی سے غذا حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح کچھ پودے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے اندر کلوروفل پایا جاتا ہے مگر وہ پھر بھی دوسرے پودوں پر اگتے ہیں اور ان سے اپنی غذا حاصل کرتے ہیں۔

دنیا میں کچھ ایسے پیڑ پودے بھی پائے جاتے ہیں جو کیڑے مکوڑے کھا کر زندہ رہتے ہیں۔ ان میں کچھ پودوں کی پتیاں اور پھول لیس دار ہوتے ہیں۔ چنانچہ جیسے ہی کوئی کیڑا ان پر اترتا ہے وہ اس لیس دار مادے کی مدد سے اسے اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ اسی طرح کچھ پودوں میں پانی کا پھندا بھی پایا جاتا ہے۔ یہ پھندا بالکل کٹورے کی طرح گول ہوتا ہے۔ پودے کی نسبت سے یہ بہت ہی چھوٹا سا ہوتا ہے۔ اس میں ہر وقت پانی بھرا رہتا ہے۔ چنانچہ کیڑے مکوڑے اس کٹورے میں گرتے ہیں اور ڈوب کر مر جاتے ہیں۔ ان کے مرتے ہی پودے خاص جوسوں کی مدد سے انہیں نگل جاتے ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ پودے چل پھر نہیں سکتے مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ بالکل ہی بے یار و مددگار ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ بہت سے طاقتور کیڑے مکوڑے اور دیگر جانور اپنی غذا کے لئے ان پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ مگر پودے ان سے اچھی طرح اپنا تحفظ کرتے ہیں۔ اس تحفظ کی مختلف صورتیں ہیں۔ مثلاً کچھ پودوں کی چھال اتنی موٹی ہوتی ہے کہ جانور پودوں کو نقصان پہنچانے سے قاصر رہتے ہیں۔ اس طرح کچھ پودوں میں انتہائی نوکیلے کانٹے ہوتے ہیں جو جانوروں کو پودے کھانے سے باز رکھتے ہیں۔ کچھ پودے جیسے Nettles (بچھو بوٹی کی جھاڑی) اپنے دشمن کے باقاعدہ ڈنک مارتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ پودے ہمیشہ جانوروں سے محفوظ رہتے ہیں۔

زمین پر کچھ ایسے حیرت انگیز پودے بھی پائے جاتے ہیں جو کچھ کیڑوں کو اپنا دوست بنا کر انہیں اپنے اندر رہنے کی اجازت دے دیتے ہیں اور پھر وقت پڑنے پر ان کیڑوں کو اپنے دشمن کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً منطقۂ حارہ کے خطوں میں پائے جانے والے بعض پودے چیونٹیوں سے دوستی کرتے ہیں اور انہیں اپنے اندر گھر بنانے کی اجازت دیتے ہیں۔ چنانچہ جب کوئی دوسرا کیڑا ان پر حملہ کرتا ہے تو ان پودوں کے اندر رہائش رکھنے والی چیونٹیاں ان پودوں کی مدافعت میں ان کے ساتھ باقاعدہ جنگ کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بعض پودوں میں یہ صلاحیت بھی رکھی ہے کہ جیسے ہی ان کا دشمن ان پر حملہ کرتا ہے وہ اپنا ذائقہ بدل لیتے ہیں۔ یا پھر ان کے اندر اچانک ہی زہر پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان کا دشمن یا تو ان کو منہ ہی نہیں لگاتا یا پھر اگر وہ ایسا کرتا ہے تو ہلاک ہو جاتا ہے۔

(نوٹ: اگلے ماہ اس سلسلہ میں ہم "بدلتے مناظر" کے عنوان سے آپ کو یہ بتائیں گے کہ: نکاراگوا علاقے کس طرح بنجر زمین میں تبدیل ہوتے ہیں اور جھیلیں کس طرح جنگلات میں بدل جاتی ہیں؟ مطلب یہ ہے کہ زمین کا منظر نامہ کس طرح اور کیوں تبدیل ہوتا ہے؟)

ٹھہرو! ذرا میں یقین کر لوں

منیر احمد راشد

شام کا وقت تھا اچانک باہر گلی میں ایک شور برپا ہوا۔ میں پڑھتے پڑھتے اٹھا اور کھڑکی کھول کر دیکھا کہ محلے کے شریر بچے ایک پاگل کو پتھر مار رہے ہیں۔

آہ! ہمارے ناسمجھ بچے۔ جو ہر دیوانے شخص پر پتھر اٹھا لیتے ہیں یہ جانے بغیر کہ وہ پاگل کون ہے؟ کس غم نے اُسے پاگل کر دیا ہے۔ کیا دکھ تھے جو اس نے جھیلے اور کون سا عذاب ہے جو وہ بھگت رہا ہے؟۔

یہ نوجوان جو اس وقت لڑکوں کے لئے کھیل تماشا بنا ہوا تھا۔ میں اسے اچھی طرح جانتا تھا۔ اس کا نام سجاد تھا۔ وہ کوئی پیدائشی پاگل یا مجذوب نہیں تھا۔ اس کی داستان بڑی ہی المناک تھی۔ آیئے میں آپ کو

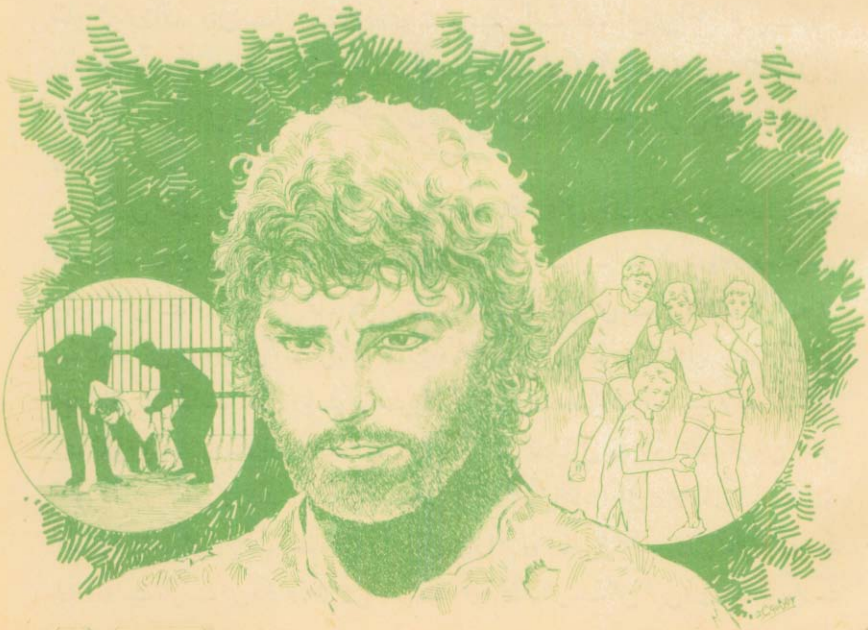

شروع سے سناتا ہوں۔

کوئی پانچ چھ برس پہلے کا ذکر ہے سجاد ہمارے محلے میں آکر آباد ہوا تھا۔ ہمارے سامنے والے مکان میں ایک کھولی خالی پڑی رہتی تھی۔ یہ اسی کھولی میں کرائے پر رہنے لگا۔ محلے دار ہونے کی وجہ سے جلد ہی اس سے دوستی ہوگئی۔ اُس کا اِس دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ سولہ برس کا ہوا تو ماں باپ ایک حادثے میں انتقال کر گئے۔ اکلوتی اولاد ہونے کی وجہ سے ان کے بعد اکیلا رہ گیا۔ سو اسکول کو خیرباد کہہ کر معاش کی فکر میں لگ گیا۔ اور مزدوری شروع کردی۔ ایک منہ بولی بیوہ بہن کے ہاں اسکے کھانے پینے کا سلسلہ کافی عرصہ تک چلتا رہا۔ پھر اسی بہن کی فرمائش پر شادی کرنے اور اس مقصد کے لئے زیادہ پیسے کمانے کے لئے وہ کراچی آگیا۔

کراچی میں اس نے بیسیوں دفاتر میں نوکری کے لئے درخواستیں دیں۔ لیکن کچھ نہ بنا۔ تھک ہار کر اسے پھر مزدوری کی طرف لوٹنا پڑا۔ وہ سارا سارا دن ٹھیلا لے کر گھومتا پھرتا اور گلیوں گلیوں آوازیں لگاتا۔ "لے آؤ ٹین ڈبے، بھوسی ٹکڑے، ردی پیپر، ٹوٹی پھوٹی بوتل اے....."

یہ شناسا سی آواز ہر روز لوگ سنتے اور اپنے گھر کی پرانی چیزیں اس کے حوالے کر کے پیسے کھرے کر لیتے۔ اس کام میں اللہ نے اسے اتنی آمدنی دی کہ اس نے چند ماہ میں دس ہزار روپے جمع کر لئے..... اور وہ ساری رقم اپنی بہن کے پاس جمع کراتا رہا۔ کافی عرصہ یہ سلسلہ چلتا رہا۔ وہ ہر ماہ کچھ نہ کچھ رقم بچا کر ملتان بھیجتا رہتا تھا۔ وہاں سے اس کے نام خط میرے ہی پتے پر آتے تھے۔ جن میں اکثر "اور پیسے بھیجو" کی فرمائش ہوتی۔ ایک دن میں نے اُس سے کہا کہ وہ ایک بار جا کر تو دیکھے کہ ابھی تک شادی کے سلسلے میں کیا تیاری ہوئی ہے۔ اس نے میرا مشورہ مان لیا اور ملتان چلا گیا۔ لیکن اس کی واپسی ذرا جلدی ہوگئی۔

میں حسب معمول اپنے کمرے میں بیٹھا مطالعہ کر رہا تھا کہ اسکی دستک پر باہر آیا۔ بہت بجھا بجھا سا تھا وہ۔ کچھ کہے بغیر ہی مجھ سے لپٹ کر رونے لگا۔ میں اسے اندر لے گیا۔ اسے دلاسا دیا اور رونے کی وجہ پوچھی۔ لیکن اسے خود پر قابو نہیں تھا۔ کافی دیر تک رونے کے بعد جب اس کے دل کا غبار دھل گیا تو اس نے بتایا کہ جس منہ بولی بہن کو وہ سگی بہن سے زیادہ سمجھتا تھا بلکہ ماں کا درجہ دیتا تھا اس نے نہ صرف اس بات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے کہ اسے کوئی رقم بھیجی گئی ہے بلکہ اسے خوب بے عزت کر کے گھر سے نکال دیا تھا۔ سجاد کے بقول اسے رقم جانے کا اتنا دکھ نہیں تھا جتنا اپنی بے عزتی کا تھا۔ اور اس احساس تنہائی کا کہ اس کا کوئی نہیں ہے۔ رشتوں پر سے اس کا اعتماد اٹھ گیا تھا۔ وہ اپنی مرحوم ماں کو یاد کے بار بار آبدیدہ ہو جاتا۔ میں دیر تک اسے سمجھاتا اور تسلیاں دیتا رہا مگر وہ حساس لڑکا تھا۔ میری تمام تر تلقین کے باوجود وہ اپنے دل سے اس دکھ کو بھلا نہیں سکا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس نے کس طرح دن رات ایک کر کے

یہ پیسے کمائے تھے۔ وہ نوجوان تھا۔ اپنے سینے میں اس درد کو دبائے دوبارہ محنت میں جُت گیا۔ لیکن شاید اس کے ستارے ہی گردش میں تھے۔ ایک دن پولیس کی وین اس کے دروازے پر کھڑی تھی۔ معاملہ کسی چوری کی استری کا تھا جو سجاد نے ایک کباڑیئے کے ہاتھ فروخت کی تھی۔ مالک نے وہ استری پہچان لی اور تحقیق کرتے کرتے پولیس سجاد تک پہنچ گئی تھی۔ وہ بہت سہما ہوا تھا۔ اس نے بتایا کہ یہ استری اس نے فلاں گلی سے خریدی تھی مگر کسی نے اس کی بات نہیں سنی۔ اسے وین میں بٹھا کر تھانے لے جایا گیا۔ میں خود جاکر تھانے دار صاحب سے ملا اور بتایا کہ سجاد ایک شریف نوجوان ہے۔ یقیناً یہ چوری کی استری کسی اور نے اس کے ہاتھ فروخت کی تھی۔ آپ کو اگر ضمانت چاہئے تو میں اس کا ضامن بننے کو تیار ہوں۔ لیکن انہوں نے بڑی لاپرواہی سے کہا۔

"چھوڑیئے جناب یہ بھی کوئی کیس ہے۔ ابھی تھوڑی دیر میں وہ باہر ہوگا۔" پھر بڑے رازدارانہ انداز میں مجھے سمجھانے لگے "آخر مدعی کو بھی تو خوش کرنا پڑتا ہے ناں جی۔" میں واپس گھر آگیا۔ اور اگلے روز سجاد بھی آگیا۔ لیکن اس کی حالت خراب تھی۔ اس سے چلا تک نہیں جا رہا تھا۔ وہ کباڑیہ جو رات بھر اس کے ساتھ بند رہا تھا وہی اس کو لے کر آیا تھا۔ میں سجاد کو فوراً قریبی ہسپتال میں لے گیا۔ جب ڈاکٹر حضرات اس کا معائنہ کر رہے تھے میں نے کباڑیئے سے اصل حالات دریافت کئے۔ جو نقشہ اس نے کھینچا اسے سن کر مجھے بڑی حیرت بھی ہوئی اور دکھ بھی۔

اس نے بتایا کہ جب وہ لوگ تھانے پہنچے تو گالیوں اور تھپڑوں سے ان کا استقبال کیا گیا۔ اور مختلف قسم کے سنگین الزامات بھی عائد کئے گئے۔ کباڑیہ تو پانچ سو روپے رشوت دے کر سزا سے محفوظ ہو گیا مگر سجاد پیسے کہاں سے ادا کرتا۔ تھانے والوں کے مطالبات پورے نہ ہوئے تو اسے "ڈرائنگ روم" کی سیر کے لئے بھیج دیا گیا۔ ڈرائنگ روم تھانے کے اس کمرے کو کہا جاتا ہے جہاں ملزموں پر ظلم و تشدد کیا جاتا ہے۔ جہاں آدھی رات تک تو مچھروں اور کھٹملوں نے اس کا خون چوسا اس کے بعد تھانے کا سارا ہی عملہ وہاں اکٹھا ہو گیا۔ وہ ایک دوسرے کو اپنے پرانے کارنامے سنا سنا کر خوش ہو رہے تھے کہ کس طرح انہوں نے مار مار کر ملزموں کو زبان کھولنے پر مجبور کر دیا۔ باتوں کے دوران وہ سجاد کو ایک آدھ ہاتھ جڑ دیتے تھے۔ کوئی صحت مند سپاہی اپنے مضبوط ہاتھوں سے اس کے نحیف ہاتھ کی انگلیاں دباتا اور اسکے چیخنے سے لطف اندوز ہوتا۔ پھر انہیں ایک اور کھیل سوجھا۔ انہوں نے آپس میں شرط لگائی کہ جو نئے ملزم یعنی سجاد سے اعتراف جرم کرائے گا وہ آج کا ہیرو ہوگا۔ پھر سب باری باری اس پر اپنے حربے آزمانے لگے۔ وہ بار بار "ٹارچر" کے مرحلے سے گزرا۔

سجاد کو چت لٹا کر دو تین سپاہیوں نے سر بازو اور ٹانگوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور ایک سپاہی بانس کی موٹی سی اسٹک

اس کی پنڈلی کی ہڈیوں پر رکھ کر اس کے اوپر کھڑا ہو گیا۔ اس ساری کاروائی کے دوران سجاد کی جو حالت ہوئی ہوگی۔ اس کی چیخوں سے جو کہرام مچا ہوگا اس کا خوب انداز کیا جاسکتا ہے۔

کباڑیہ کی زبانی یہ سب کچھ معلوم کر کے مجھے بے انتہا رنج ہوا۔ ہماری پولیس اتنی درندگی کر سکتی ہے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اور اس سے بھی زیادہ دُکھ کی بات یہ تھی کہ اس ظلم کے خلاف کوئی آواز بلند نہیں کی جاسکتی تھی۔ کہیں سے انصاف ملنے کی توقع نہیں تھی کیونکہ لنکا میں سبھی باون گزے تھے۔

سجاد کا ایک مہینے تک علاج ہوتا رہا۔ میں اسے دیکھنے جایا کرتا تھا۔ وہ اکثر ماں کو یاد کرتا اور رونے لگتا۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ اس حادثے کا اس کے ذہن پر بہت بُرا اثر ہوا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ ہسپتال سے فارغ ہونے کے بعد سجاد لوٹا تو دیوانہ ہو چکا تھا۔ کسی سے کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ سارا دن یا تو کمرے میں لیٹا رہتا یا اِدھر اُدھر پھرتا رہتا۔ اور آج تک وہ اسی کیفیت سے دوچار ہے۔ نہ کپڑوں کا ہوش۔ نہ کھانے پینے کا۔ نہ سردی گرمی کی پروا۔ اگر آپ کا کبھی اورنگی جانا ہو تو آپ بنارس چوک اور اورنگی نمبر ۵ کے درمیان کہیں نہ کہیں سجاد کو پھرتا ہوا دیکھ لیں گے۔ وہ چیتھڑوں میں ملبوس ہوگا اور ناسمجھ بچوں کی ٹولی اس کے پیچھے بھاگ رہی ہوگی، اسے پتھر مار رہی ہوگی۔ یہ جانے بغیر کہ وہ پاگل کیوں ہوا؟۔

میں نے کھڑکی بند کر دی۔ اور واپس اپنی میز پر آکر پڑھنے لگا۔ لکھا تھا۔

"ابن العین کہتے ہیں کہ ہم کرمان میں بکریاں چرایا کرتے تھے۔ بھیڑیئے بھی ہماری بکریوں کے ساتھ چلتے پھرتے رہتے تھے اور بکریوں کو نقصان نہ پہنچاتے تھے۔ ایک روز ایسا ہوا کہ بھیڑیا ایک بکری کو اٹھا کر لے گیا۔ میں نے اسی روز کہہ دیا کہ آج انصاف پسند اور نیک دل خلیفہ یقیناً فوت ہو گیا ہے۔ چنانچہ جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ اسی روز حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے انتقال فرمایا تھا۔"

فضول کاروبار

ایک اسکاٹ کو قتل کے جرم میں سزائے موت دی ۔ پھانسی کی صبح کو جیل کا سپرنٹنڈنٹ اس سے ملنے آیا اور باتوں باتوں میں کہنے لگا "تم جانتے ہو تمہیں پھانسی پر چڑھانے میں حکومت کو پورے سو ڈالر خرچ کرنا پڑ رہے ہیں۔"

"فضول کاروبار ہے۔" اسکاٹ نے منہ بنا کر کہا۔ "مجھے پچاس ڈالر دے کر پچاس ڈالر بچالو، میں اپنے سینے میں خود ہی گولی مار لوں گا۔"

پاکیزہ ، صحت بخش ، لذیذ
احمد کے کھانے سب کو عزیز

آپ سفر میں ہوں ، ملک سے باہر ہوں یا
گھر میں اچانک مہمان آجائیں
احمد کے پکے پکائے کھانوں کے
ڈبّوں کو صرف **دس منٹ**
گرم پانی میں رکھیں یا کھول کر گرم
کرلیں - لیجیے کھانا تیار

لذّت بھی - کفایت بھی

احمد کے پکے پکائے

کھانے

نہاری ، شاہی حلیم ، قورمہ ، کوفتہ
آلو قیمہ ، سرسوں کا ساگ

جدید ترین آٹو میٹک پلانٹ پر تیار کردہ
ہر دم تازہ ، سیل بند ڈبوں میں
دنیا میں ہر جگہ دستیاب

احمد

ہمیں فخر ہے کہ ہماری مصنوعات
نے ساری دنیا میں پاکستانی ذائقوں
کو متعارف کرایا۔

MASS

بُھول کر اچھی بُری ہر بات کو
دیکھئے لوہے کے حیوانات کو

ڈائنوسور ویلڈ ہوتے ہوئے

ناکارہ کاروں کے ٹکڑے، کتنے کام کے بن جاتے ہیں

یہ سر، یہ پسلی، یہ پاؤں اس کا
ارے پکڑو، ارے یہ کھسکا

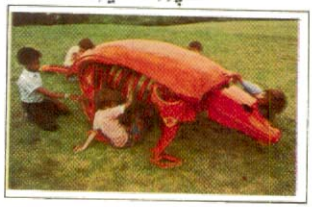

آپ کے دل میں سما جائے گا ڈر
ڈس نہ جائے ان میں کیا کیا جانور
شب کو دیکھیں آپ یہ منظر اگر ہم کو بتلائیں ذرا پہچان کر

ٹوٹی گاڑی کام میں لائیں
لوہے کے حیوان بنائیں

سلمیٰ سلیم

جب کسی شخص میں تخلیقی صلاحیت عروج پر ہوتی ہے تو وہ معمولی بلکہ بیکار چیزوں سے بھی عظیم الشان چیزیں تعمیر کرلیتا ہے۔ لیکن جب اس کا ذہن خالی ہو تو پھر وہ بڑی بڑی تعمیرات کو بھی تخریب کا شکار بنا کر ڈھیر کر دیتا ہے۔ یہی معاملہ قوموں کا ہے۔ دیکھئے نا! جرمن قوم دوسری جنگ عظیم میں مکمل طور پر تباہ ہوگئی تھی مگر اس میں تخلیقی صلاحیتیں تھیں چنانچہ اس نے کھنڈرات سے ایک عظیم الشان اور دنیا کی تیسری بڑی صنعتی قوت پیدا کرلی اور ایک ہم ہیں کہ پاکستان جیسی عظیم تعمیر کو خالی ذہن ہونے کے باعث تخریب کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں اور اسے ہر لمحہ ریزہ ریزہ کر رہے ہیں۔

آج ہم آپ کو ایک ایسے ہی شخص سے ملوا رہے ہیں جو اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے ذریعے معمولی بلکہ بیکار چیزوں سے بھی نئی نئی اور حیران کن چیزیں تخلیق کرتا ہے۔ اس شخص کا نام جم گیری ہے۔ جم کا تعلق امریکی ریاست نیوجرسی سے ہے۔ جم کا کمال یہ ہے کہ وہ پرانی کاروں کے ناقابل استعمال حصوں سے ڈائنو سور اور سینکڑوں قسم کے حیوانات بناتا ہے۔

جم کے ذہن میں پرانی گاڑیوں اور کاروں سے حیوانات بنانے کا خیال اس وقت آیا تھا جب وہ ایک روز میوزیم میں ڈائنو سور کے ڈھانچے کا مطالعہ کر رہا تھا۔ جم نے گاڑیوں اور کاروں کے مختلف حصوں سے حیوانات بنائے ہیں۔ ان میں سے بیشتر ڈائنو سور کے طرح کے ہیں۔ تاہم ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اس زمین کے اوپر نہ کبھی پائے جاتے تھے اور نہ اب پائے جاتے ہیں۔ یعنی وہ سب جم کے تخیل کی پیداوار ہیں۔

جم کے ذہن میں جب کسی حیوان کو بنانے کا خیال آتا ہے تو وہ فوراً پرانی کاروں کے کباڑی بازار کا رخ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جم کو یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ گاڑیوں کے مختلف حصوں کو دیکھتے ہی پہچان لیتا ہے کہ یہ جاندار کے جسم کے کس حصے کے لئے موزوں ہے۔ عام طور پر ایک ڈائنو سور بنانے کے لئے جم کو دس بارہ کاروں کے انجن درکار ہوتے ہیں۔ ایک مکمل ڈائنو سور بنانے کے لئے جم کو کار کے تقریباً ۵۰۰ حصوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کباڑی بازار سے کاروں کے مختلف حصے خرید کر جم اپنے اسٹوڈیو لے جاتا ہے۔ اسٹوڈیو میں وہ ان حصوں کو صاف کرتا ہے اور پھر ویلڈنگ کے ذریعہ ان حصوں کو آپس میں جوڑ کر حیوان کی شکل دے دیتا ہے۔ حیوان کو تیار کر کے جم اس پر رنگ کرتا ہے۔

عام طور پر ایک حیوان کی تیاری میں چھ سے آٹھ ماہ

صرف ہوتے ہیں۔ جم کی اکثر تخلیقات مختلف پارکوں میں موجود ہیں۔ بچّے ان جانوروں کو دیکھ کر اور ان پر چڑھ کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ بچوں کو خوش ہوتا دیکھ کر جم بھی بہت خوش ہوتا ہے۔ ظاہر ہے، بچوں کو خوش کرنے سے زیادہ اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔

برابر کے صفحہ پر موجود حیوانات کی تصاویر کو ذرا غور سے دیکھئے اور بتائیے کے ان حیوانات کے جسموں میں گاڑیوں کے کون کون سے حصے استعمال ہوئے ہیں۔

بھئی یہ کام آپ کی ذہانت کو آزمانے کے لئے دے رہے ہیں ورنہ ہمیں معلوم ہے کہ آپ کبھی بھی کباڑیئے نہیں رہے۔ ویسے اگر آپ کباڑیئے ہیں بھی تو کوئی بات نہیں۔ کیونکہ محنت اور ایمانداری سے کیا جانے والا کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام بھی بُرا اور ایسا نہیں ہوتا کہ اس پر شرمایا جائے۔ بھئی محنت کی عظمت کو تو دنیا سلام کرتی ہے۔ سلام صاحب!

بیکار

گورنمنٹ کی طرف سے بیکاروں کی تعداد شمار کرنے کے لئے ایک عملہ مقرر کیا گیا۔ اس عملے کے آدمی ایک امیر آدمی کے گھر پہنچے، جو بلڈنگوں کا مالک تھا اور ان کا کرایہ وصول کیا کرتا تھا۔ عملہ کے انچارج نے پوچھا "کیا آپ کے گھر میں کوئی بیکار ہے؟۔"

"نہیں!"

"آپ سب لوگ کیا کرتے ہیں؟"

"مکانوں کا کرایہ وصول کرتے ہیں اور گھر کے افراد بھی اسی کرائے پر گزارا کرتے ہیں" "کرایہ وصول کرنا کوئی کام نہیں گنا جاتا۔ آپ کوئی ایسا کام بتائیے جسے واقعی آپ کرتے ہیں۔"

"کوئی نہیں!"

چنانچہ بیکاروں کی گنتی کرنے والے عملے نے اس سارے کنبے کا نام بیکاروں کی فہرست میں درج کرلیا۔

آج کرلو

ایک فرم کے مالک نے اپنے دفتر کے تمام کمروں کی دیواروں پر تختی آویزاں کر دی جس پر لکھا تھا:

"جو کچھ کرنا ہے آج کرلو۔"

ایک مہینہ کے بعد ایک دوست نے فرم کے مالک سے پوچھا کہ ملازموں پر اس نصیحت کا کیا اثر ہوا؟

فرم کے مالک نے جواب دیا: "خزانچی تیس ہزار ڈالر چُرا کر بھاگ گیا۔ تین کلرکوں نے اپنی تنخواہوں میں فوری اضافے کا مطالبہ کیا اور ایک چپراسی نے تو حد ہی کر دی۔ اس نے ڈاکوؤں کے ایک گروہ سے سازباز کی اور سیف کے راز اُگل دیئے۔"

مرسلہ:۔ خالد خلیل، کراچی

ٹوٹی گاڑی کام میں لائیں لوہے کے حیوان بنائیں

سلمیٰ سلیم

جب کسی شخص میں تخلیقی صلاحیت عروج پر ہوتی ہے تو وہ معمولی بلکہ بیکار چیزوں سے بھی عظیم الشان چیزیں تعمیر کرلیتا ہے۔ لیکن جب اس کا ذہن خالی ہو تو پھر وہ بڑی بڑی تعمیرات کو بھی تخریب کا شکار بنا کر ڈھیر کر دیتا ہے۔ یہی معاملہ قوموں کا ہے۔ دیکھئے نا! جرمن قوم دوسری جنگ عظیم میں مکمل طور پر تباہ ہوگئی تھی مگر اس میں تخلیقی صلاحیتیں تھیں چنانچہ اس نے کھنڈرات سے ایک عظیم الشان اور دنیا کی تیسری بڑی صنعتی قوت پیدا کرلی اور ایک ہم ہیں کہ پاکستان جیسی عظیم تعمیر کو خالی ذہن ہونے کے باعث تخریب کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں اور اسے ہر لمحہ ریزہ ریزہ کر رہے ہیں۔

آج ہم آپ کو ایک ایسے ہی شخص سے ملوا رہے ہیں جو اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے ذریعے معمولی بلکہ بیکار چیزوں سے بھی نئی نئی اور حیران کن چیزیں تخلیق کرتا ہے۔ اس شخص کا نام جم گیری ہے۔ جم کا تعلق امریکی ریاست نیوجرسی سے ہے۔ جم کا کمال یہ ہے کہ وہ پرانی کاروں کے ناقابل استعمال حصوں سے ڈائنو سور اور سینکڑوں قسم کے حیوانات بناتا ہے۔

جم کے ذہن میں پرانی گاڑیوں اور کاروں سے حیوانات بنانے کا خیال اس وقت آیا تھا جب وہ ایک روز میوزیم میں ڈائنو سور کے ڈھانچے کا مطالعہ کر رہا تھا۔ جم نے گاڑیوں اور کاروں کے مختلف حصوں سے حیوانات بنائے ہیں۔ ان میں سے بیشتر ڈائنو سور کے طرح کے ہیں۔ تاہم ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اس زمین کے اوپر نہ کبھی پائے جاتے تھے اور نہ اب پائے جاتے ہیں۔ یعنی وہ سب جم کے تخیل کی پیداوار ہیں۔

جم کے ذہن میں جب کسی حیوان کو بنانے کا خیال آتا ہے تو وہ فوراً پرانی کاروں کے کباڑی بازار کا رخ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جم کو یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ گاڑیوں کے مختلف حصوں کو دیکھتے ہی پہچان لیتا ہے کہ یہ جاندار کے جسم کے کس حصے کے لئے موزوں ہے۔ عام طور پر ایک ڈائنو سور بنانے کے لئے جم کو دس بارہ کاروں کے انجن درکار ہوتے ہیں۔ ایک مکمل ڈائنو سور بنانے کے لئے جم کو کار کے تقریباً ۵۰۰ حصوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کباڑی بازار سے کاروں کے مختلف حصے خرید کر جم اپنے اسٹوڈیو لے جاتا ہے۔ اسٹوڈیو میں وہ ان حصوں کو صاف کرتا ہے اور پھر ویلڈنگ کے ذریعہ ان حصوں کو آپس میں جوڑ کر حیوان کی شکل دے دیتا ہے۔ حیوان کو تیار کر کے جم اس پر رنگ کرتا ہے۔

عام طور پر ایک حیوان کی تیاری میں چھ سے آٹھ ماہ

صرف ہوتے ہیں۔ جم کی اکثر تخلیقات مختلف پارکوں میں موجود ہیں۔ بچّے ان جانوروں کو دیکھ کر اور ان پر چڑھ کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ بچوں کو خوش ہوتا دیکھ کر جم بھی بہت خوش ہوتا ہے۔ ظاہر ہے، بچوں کو خوش کرنے سے زیادہ اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔

برابر کے صفحہ پر موجود حیوانات کی تصاویر کو ذرا غور سے دیکھئے اور بتائیے کے ان حیوانات کے جسموں میں گاڑیوں کے کون کون سے حصے استعمال ہوئے ہیں۔

بھئی یہ کام آپ کی ذہانت کو آزمانے کے لئے دے رہے ہیں ورنہ ہمیں معلوم ہے کہ آپ کبھی بھی کباڑیئے نہیں رہے۔ ویسے اگر آپ کباڑیئے ہیں بھی تو کوئی بات نہیں۔ کیونکہ محنت اور ایمانداری سے کیا جانے والا کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام بھی بُرا اور ایسا نہیں ہوتا کہ اس پر شرمایا جائے۔ بھئی محنت کی عظمت کو تو دنیا سلام کرتی ہے۔ سلام صاحب!

بیکار

گورنمنٹ کی طرف سے بیکاروں کی تعداد شمار کرنے کے لئے ایک عملہ مقرر کیا گیا۔ اس عملے کے آدمی ایک امیر آدمی کے گھر پہنچے، جو بلڈنگوں کا مالک تھا اور ان کا کرایہ وصول کیا کرتا تھا۔ عملہ کے انچارج نے پوچھا "کیا آپ کے گھر میں کوئی بیکار ہے؟۔"

"نہیں!"

"آپ سب لوگ کیا کرتے ہیں؟"

"مکانوں کا کرایہ وصول کرتے ہیں اور گھر کے افراد بھی اسی کرائے پر گزارا کرتے ہیں" "کرایہ وصول کرنا کوئی کام نہیں گنا جاتا۔ آپ کوئی ایسا کام بتائیے جسے واقعی آپ کرتے ہیں۔"

"کوئی نہیں!"

چنانچہ بیکاروں کی گنتی کرنے والے عملے نے اس سارے کنبے کا نام بیکاروں کی فہرست میں درج کرلیا۔

آج کرلو

ایک فرم کے مالک نے اپنے دفتر کے تمام کمروں کی دیواروں پر تختی آویزاں کردی جس پر لکھا تھا:

"جو کچھ کرنا ہے آج کرلو۔"

ایک مہینہ کے بعد ایک دوست نے فرم کے مالک سے پوچھا کہ ملازموں پر اس نصیحت کا کیا اثر ہوا؟

فرم کے مالک نے جواب دیا: "خزانچی تیس ہزار ڈالر چُرا کر بھاگ گیا۔ تین کلرکوں نے اپنی تنخواہوں میں فوری اضافے کا مطالبہ کیا اور ایک چپراسی نے تو حد ہی کر دی۔ اس نے ڈاکوؤں کے ایک گروہ سے سازباز کی اور سیف کے راز اگل دیئے۔"

مرسلہ:۔ خلد خلیل، کراچی

اُصول کی فریاد

شاہنواز فاروقی

بے کار پن پہ اپنے بے حد ملول ہوں میں
اِس پاک سرزمیں کا زندہ اصول ہوں میں

احساس ہوچکا ہے مجھ کو کہ مر رہا ہوں
سو آخری میں تم سے فریاد کر رہا ہوں

اک وقت تھا یہاں سب کرتے تھے پیار مجھ سے
چلتے تھے اس زمیں کے سو کاروبار مجھ سے

ہاتھی کے پاؤں سے بھی اُس وقت تھا میں بھاری
دولت کی فوج مجھ سے جب بھی لڑی وہ ہاری

گویا کہ چار جانب تھا میرا بول بولا
پر ہائے اب تو میرا منہ ہوچکا ہے کالا

جاہل مجھے سمجھ کر امرود کھا رہے ہیں
عالِم مجھے سمجھ کر چنگم چبا رہے ہیں

دفتر ہو یا کہ گھر ہو، ہوٹل ہو یا اٹاری
مدّت سے ہر جگہ ہے میری فروخت جاری

جس قوم نے مسلسل کی میری پاسداری
وہ کر رہی ہے مجھ پر اب خیر سے سواری

ہر دل کی قید سے میں آزاد ہو چکا ہوں
القصّہ مختصر یہ، برباد ہوچکا ہوں

فریاد آپ کو میں، اب اور کیا سناؤں
ایک بات چلتے چلتے اب راز کی بتاؤں

میرے وجود ہی سے قائم ہے سب کی ہستی
میں مر گیا تو سب کو کھا جائے گی یہ پستی

ہماری پہچان

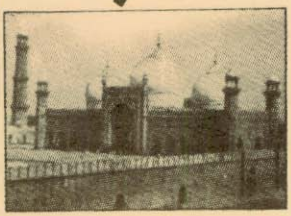

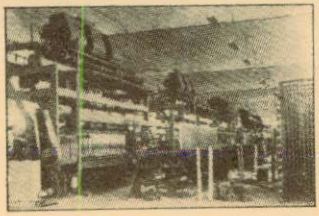

توحید
تاریخ
ترقی

توحیدِ اسلامی سے مُشرّف ایک شاندار تاریخ
اور عظیم تہذیبی ورثے کی وارث ملّت پاکستان
کی ترقی کے لئے سرگرمی سے کوشاں ہے۔

نیشنل بینک آف پاکستان — قومی ترقی قومی بینک

United
PID-1-23/87

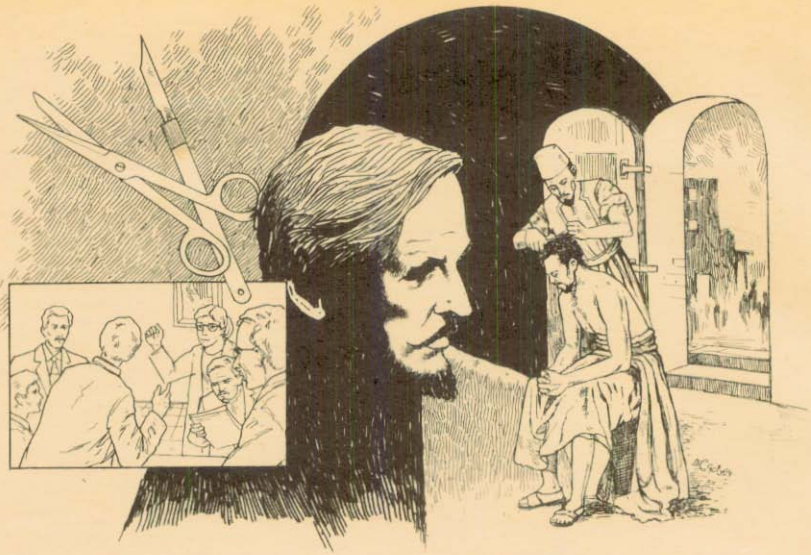

بنگالی کہانی سے ماخوذ — شاہنواز فاروقی

حجّام ڈاکٹر

کسی زمانے میں ایک گاؤں میں ایک شخص رہتا تھا جو حجام بھی تھا اور ڈاکٹر بھی۔ گاؤں کے لوگ نزلے، بخار، سردرد، اور ٹوٹی ہوئی ہڈیوں وغیرہ کے علاج کے لئے اس کے پاس آتے۔ چالاک حجام ان سب بیماریوں کا علاج کرتا۔ وہ تیزی کے ساتھ اپنے پاس آنے والے مریضوں کا پیٹ اپنے استرے کی مدد سے چاک کرتا اور پیٹ کے اندر موجود اس حصہ کو نکال باہر کرتا جس سے مریض تکلیف میں مبتلا ہوتا۔ آپریشن کے بعد وہ عام سوئی دھاگے کی مدد سے زخم کو سی دیتا اور زخم پر مرہم لگا کر مریض کو گھر بھیج دیتا۔ گاؤں میں اگرچہ اور ڈاکٹر بھی تھے لیکن گاؤں کے لوگوں کی اکثریت حجام کو پسند کرتی تھی۔

اگر کوئی اس کے پاس گلے میں ہڈی یا کان میں کوئی کنکر پتھر پھنسا کر لاتا تو حجام اپنی قینچی سے ان کو نکال باہر کرتا۔ اگر کوئی پھوڑے پھنسی والا ہوتا تو وہ کہتا "ہاں ذرا دکھاؤ تو" اور اس سے پہلے مریض یہ جان سکے کہ وہ کیا کرے گا حجام اپنے تیز استرے سے پھوڑے کو چیرا دے دیتا۔ اس کے تمام مریض اس کے جلدی علاج کرنے کے طریقے سے بہت متاثر تھے۔

حجام کے برعکس گاؤں کے دوسرے ڈاکٹر آپریشن کرنے سے پہلے اپنے تمام اوزاروں کو گرم پانی میں

ابالتے۔ تاکہ ان سے چمٹے ہوئے جراثیم ہلاک ہوجائیں اوران کے مریض کسی اور بیماری کا شکار نہ ہوسکیں، پھر وہ گرم پانی اور صابن سے اپنے ہاتھ صاف کرتے۔ وہ اپنے استعمال کی ہر شے کو نہایت توجہ سے صاف کرتے۔ تاہم حجام صاحب ان میں سے کوئی کام بھی نہیں کرتے تھے۔ وہ آپریشن سے پہلے اپنے استرے کو ایک چمڑے پر گھستا تاکہ اس کی دھار تیز ہوسکے۔ وہ کبھی بھی اپنے ہاتھ نہ دھوتا تھا اور نہ اپنے اوزاروں کو گرم پانی میں ابالتا تھا۔ تاہم اس کے باوجود بھی وہ کوئی سنگین سے سنگین آپریشن کرنے سے بھی ہچکچاتا نہیں تھا۔

حجام کے تمام آپریشن کامیاب نہیں ہوتے تھے۔ دھول اور جراثیم چلے جانے کے باعث اکثر مریضوں کے زخم سڑ جاتے تھے۔ مگر گاؤں والے اس پر بھی یہی کہتے تھے کہ بھئی علاج تو ایسے ہی ہوتا ہے۔

حجام جنگل میں پائی جانے والی مختلف جڑی بوٹیوں سے اپنی ادویات تیار کرتا تھا۔ اگر اس کے کسی مریض کے پیٹ میں درد ہوتا تو وہ اسے مولی اور نمک سے بنا ہوا سفوف دے دیتا۔ اور اگر ان میں سے کسی کو بخار ہوتا تو انہیں "تلسی" کے پتے دے دیتا۔ چوں کہ ان اشیاء سے تیار ہونے والی ادویات پر یا تو پیسے خرچ ہی نہیں ہوتے تھے یا پھر بہت کم ہوتے تھے اس لئے حجام اپنے مریضوں سے ان کی قیمت طلب نہیں کرتا تھا۔ تاہم اگر کوئی مریض اپنی خوشی سے اسے کچھ دینا چاہتا تو وہ انکار نہ کرتا۔

اس کے برعکس گاؤں کے ڈاکٹر نہ صرف آپریشن کی بلکہ اپنی دوائیوں کی بھی اچھی خاصی قیمت وصول کرتے تھے۔ چنانچہ گاؤں کے اکثر لوگ بیمار ہوکر حجام ہی کے پاس جاتے۔ اس لئے اس کے پاس بیماروں کی بھیڑ لگی رہتی۔ حجام کے پاس تو بیماروں کی بھیڑ ہوتی تھی مگر تمام ڈاکٹر سارا دن مکھیاں مارا کرتے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حجام کے علاوہ گاؤں کے دیگر تمام ڈاکٹر دن بہ دن غریب ہوتے چلے گئے اور اس کے ساتھ ساتھ پریشان بھی۔ بالآخر کچھ ڈاکٹروں نے کوشش کر کے تمام ڈاکٹروں کا جلسہ طلب کیا۔

اس جلسہ میں ایک ڈاکٹر نے تقریباً رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ "ایک زمانہ تھا کہ میرے پاس سینکڑوں مریض آتے تھے اور میری خاصی آمدنی تھی۔ اور میں اپنے بچوں کو طرح طرح کے پھل کھلایا کرتا تھا۔ مگر اب آموں کا موسم اختتام کے قریب ہے اور میرے بچوں نے ایک آم تک نہیں چکھا۔"

دوسرے ڈاکٹر نے اپنا دکھڑا یوں بیان کیا۔ "غذا خریدنے کے لئے میں آپریشن کرنے والے اپنے تمام اوزار فروخت کر چکا ہوں۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو میرے بیوی، بچے بھوک سے مرجاتے۔ اور اب ہمارے بیچنے کے لئے صرف ایک گھر رہ گیا ہے۔"

اسی طرح کی کئی کہانیاں سننے کے بعد کسی ڈاکٹر نے کہا "اپنی بدقسمتی کا رونا رونے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ہم سب انتہائی غریب ہوچکے ہیں چنانچہ ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ اس صورتحال سے کس طرح نجات

حاصل کی جائے۔"

تبھی ایک ڈاکٹر نے کہا۔ "گاؤں میں ایک بزرگ ڈاکٹر رہتا ہے۔ کسی زمانے میں وہ بڑا کامیاب ڈاکٹر تھا۔ اُس کی ذہانت کی بڑی دھوم تھی۔ کیوں نہ ہم سب اُس کے پاس چلیں۔ شاید وہ ہمیں کوئی بہتر مشورہ دے۔

چنانچہ ایک روز وہ سب بزرگ ڈاکٹر کے پاس پہنچے اس نے ان کی باتیں توجہ سے سنیں اور بولا۔ "میں آپ کی مدد کرنے کی کوشش کروں گا آپ لوگ ایسا کیجئے کہ حجام کو میرے پاس بھیج دیجئے۔"

چند روز کے بعد حجام بزرگ ڈاکٹر سے ملنے آپہنچا۔ بزرگ ڈاکٹر نے حجام سے کہا۔

"مجھ اس گاؤں کے دوسرے ڈاکٹروں کے ذریعہ معلوم ہوا ہے کہ تم نہایت مہارت کے ساتھ آپریشن کرتے ہو۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ اپنی غربت کے باعث تم کبھی کسی میڈیکل کالج میں پڑھنے نہ جاسکے۔ آؤ میں تمہیں جسم کے مختلف اعضاء کے بارے میں کچھ بتاؤں۔ ہم اعضاء سے متعلق اس علم کو "ANATMY" کہتے ہیں۔ اگر تم یہ علم حاصل کرلو گے تو یقیناً زیادہ بہتر ڈاکٹر ثابت ہوگے۔"

"یہ تو بڑا عمدہ خیال ہے" حجام نے کہا "میں ایک تعلیم یافتہ شخص نہیں ہوں۔ اگر میں نے علم الاعضاء سے استفادہ کیا تو یقیناً میں اپنے مریضوں میں زیادہ مقبول ہوجاؤں گا۔"

بالآخر بزرگ ڈاکٹر نے حجام کو انسانی اعضاء کے بارے میں تعلیم دینی شروع کی۔ اس نے حجام کو خون لے جانے والی رگوں اور دل کے بارے میں بھی بہت کچھ بتایا۔

ڈاکٹر نے حجام کو بتایا کہ اگر اس نے دل سے نکلنے والی خون کی نالی کو غلطی سے کاٹ دیا تو آدمی مرسکتا ہے۔ ڈاکٹر نے حجام کو نروس سسٹم اور جسم کے دیگر اعضاء کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔

اس نے حجام کو یہ بھی بتایا کہ آپریشن میں استعمال ہونے والے تمام اوزاروں کو نہایت صاف ستھرا رکھنا بھی انتہائی ضروری ہے۔ "اگر تمہارے اوزار گندے ہوں تو امکان ہے کہ تمہارے مریض کے زخم زہر آلود ہوکر سڑ جائیں"۔

حجام نے یہ تمام باتیں بہت جلد اچھی طرح ذہن نشین کرلیں۔ حجام کے برعکس کوئی عام ڈاکٹر ہوتا یہ باتیں کئی برسوں میں سیکھ پاتا۔ مگر اس نے یہ باتیں چند ہفتوں ہی میں سیکھ لی تھیں۔

"تم بہت اچھے طالب علم ثابت ہوئے ہو" بزرگ ڈاکٹر نے حجام سے کہا۔ "اب تم میری فراہم کردہ معلومات پر عمل کرو۔ اب تم کسی پھوڑے والے مریض کو لاؤ اور ہماری نظروں کے سامنے اس کا آپریشن کرو۔"

تھوڑی دیر بعد ایک پھوڑے والا مریض حاضر ہوا۔ حجام نے آپریشن کی تمام تیاریاں مکمل کرلیں۔

آپریشن سے قبل اس نے اپنے ہاتھ اچھی طرح صاف کئے۔ پھر اس نے اپنے تمام اوزاروں کو گرم پانی میں اچھی طرح اُبالا۔ مگر اس نے جیسے ہی مریض کے پھوڑے کو دیکھا وہ عجیب طرح کی بے یقینی اور خوف کا شکار ہو گیا۔ آپریشن کی تیاری مکمل تھی مگر اس کے ہاتھ تھر تھرا رہے تھے۔

وہ سوچ رہا تھا "یہاں خون لے جانے والی فلاں رگ ہے۔ اور یہاں دوسری طرح کی رگ۔ اگر میں نے کوئی غلط رگ کاٹ دی تو مریض مر بھی سکتا ہے۔"

بالآخر اس نے اپنا استرا سنبھالا۔ وہ کبھی استرے کو سیدھا پکڑتا اور کبھی ترچھا۔ مگر اس کی ہمت نہ پڑی کے وہ پھوڑے کو چیرا لگائے۔ اس سے پہلے برسوں تک اس نے استرے سے بے شمار آپریشن کئے تھے۔ مگر اب وہ انسانی جسم کے بارے میں اتنا جان چکا تھا کہ اسے آپریشن شروع کرنا محال لگ رہا تھا۔ بالآخر استرا اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔

اس دن کے بعد سے حجام نے کبھی دوبارہ ڈاکٹر کے طور پر کام نہ کیا۔ اب گاؤں کے لوگ بیمار ہوتے تو علاج کے لئے گاؤں کے دوسرے ڈاکٹروں کے پاس جاتے۔

تبلیغ فنڈ

ایک پادری صاحب لڑکیوں کے ایک مدرسے میں انجیل کا امتحان لینے کے لئے تشریف لائے ...... ایک لڑکی نے جس کی عمر بارہ تیرہ سال ہوگی سب سے اچھا جواب دیا۔ پادری صاحب نے خوش ہو کر جیب سے ایک چمکتا ہوا پنس نکالا اور انعام کے طور پر لڑکی کے حوالے کیا۔ اتنے میں ایک خوانچے والا "اسٹابری کی قلفی، اسٹابری کی قلفی" پکارتا ہوا سڑک پر سے گزرا۔ وہ لڑکی دوڑتی ہوئی گئی اور اپنے پنس کی قلفی لے کر چٹکی بجاتے میں چٹ کر گئی۔ پادری صاحب نے اپنی روحانی کمائی کا یہ حشر دیکھا تو بے حد ملول ہوئے اور غمزدہ لہجے میں لڑکی سے کہنے لگے "بیٹا تبلیغ دین عیسوی کے متعلق میں نے تم سے بہت سے سوال پوچھے اور تم نے ان کا برجستہ برمحل جواب دیا اسی لئے میں نے تمہیں ایک پنس انعام دیا اور یہ سمجھا تھا کہ تم یہ رقم تبلیغ فنڈ میں جمع کر کے اپنے سعادت مند ہونے کا ثبوت دو گی۔ لیکن افسوس تم نے اسے قلفیوں میں اڑا دیا۔

لڑکی بھولے پن سے جواب دیتی ہے "قبلہ نیت تو میری بھی تھی کہ حضور کا مرحمت کیا ہوا انعام تبلیغ فنڈ میں داخل کروں۔ لیکن پھر خیال آیا کہ اس رقم کی قلفی خریدلوں اور خوانچہ والا یہ رقم فنڈ میں داخل کر دے گا بات ایک ہی ہے۔"

دلدل

حمید کاشمیری

قسط نمبر ۲

راشد کا باپ رمضان ڈرائیور ہیروئن پینے کا عادی تھا۔ راشد کو بھی ویڈیو گیم کی لت پڑ گئی تھی۔ وہ گھنٹوں گھر سے غائب رہتا۔ اس کی ماں ان دونوں باپ بیٹوں کی حرکتوں کی وجہ سے پریشان رہتی۔ ایک روز جب راشد حسب معمول ویڈیو گیم کھیلنے میں مشغول تھا، اس کی ماں روتی پیٹتی وہاں آئی اور یہ روح فرسا خبر سنائی کہ اس کے باپ کا انتقال ہو گیا ہے۔ باپ کے مرنے کے بعد راشد کی زندگی میں ایک انقلاب برپا ہو گیا۔ اس نے تمام بُری عادتوں سے توبہ کر لی۔ تعلیم حاصل کرنا تو اس کے لئے ممکن نہ تھا، البتہ گھر کا خرچ چلانے کے لئے اس نے اپنے والد کے دوست رحمت مستری کی ورکشاپ پر کام کرنا شروع کر دیا۔ ان دنوں شہر کے حالات کچھ ٹھیک نہیں تھے۔ آئے دن کے ہنگاموں اور کرفیو کی وجہ سے زندگی اجیرن ہو گئی تھی۔ راشد کا گھر تو لفزون کے علاقے میں تھا اور ورکشاپ میوہ شاہ قبرستان کے قریب۔ ہر روز آنا جانا خطرے سے خالی نہ تھا۔ کسی ممکنہ بُری خبر سے بچنے کے لئے رحمت مستری نے راشد کی والدہ سے بات کر کے راشد کو رات دن مستقل اپنے ورکشاپ پر رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ دن بھر تو خوشی خوشی کام کر لیا کرتا تھا۔ لیکن یہ پہلی رات کاٹنا اس کے لئے مشکل ہو گیا۔ وہ اس آسیب زدہ ماحول میں ڈر رہا تھا۔ وہ بستر پر لیٹنا تھا لیکن نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ خوف کی ایک لہر بار بار اس کے بدن میں جھرجھری پیدا کر دیتی۔ آخر کار وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

اس کے اٹھ بیٹھنے سے اس کے ساتھی بھی اٹھ بیٹھے اور یوں خوفزدہ ہونے پر اس کا مذاق اڑایا۔ لیکن راشد سچ مچ ڈر رہا تھا اس پر ان لوگوں کی تلقین کا کچھ اثر نہ ہوا اور جب وہ منہ لپیٹ کر سو گئے تو راشد تکیہ اور چادر بغل میں دبا کر ورکشاپ کی چھت پر چڑھ گیا..... کافی دیر ادھر اُدھر کے خیالات اسے ستاتے رہے۔ پھر وہ نیند کی وادیوں میں گم ہو گیا۔ نہ جانے رات کا کونسا پہر تھا جب وہ ہڑبڑا کر اٹھا..... اس نے دیکھا کہ چند لوگ میت گاڑی میں سے اترے اور ایک میت کو اٹھا کر قبرستان کے اندر لے گئے جہاں انہوں نے اس کفن پوش کو ایک تازہ کھدی ہوئی قبر میں اتار دیا..... لیکن راشد نے اچھی طرح دیکھ لیا تھا کہ قبر میں اتاری جانے والی چیز لاش نہیں بلکہ لکڑی کی دو پٹیاں تھیں۔

صبح نور کے تڑکے سب سے پہلے اکو کی آنکھ کھلی۔ اس نے کروٹ بدل کر دیکھا تو اسلم اور گولا تو سو رہے تھے لیکن راشد نہیں تھا۔ وہ یہی سمجھا کہ شاید ادھر ادھر کسی ضرورت کے تحت گیا ہوگا۔ وہ پھر کروٹ بدل کے سو گیا۔ کچھ دیر بعد اسلم کی آنکھ کھلی تو اس نے بھی راشد کو اپنے ساتھ نہیں دیکھا۔ اتنے میں گولا بھی اٹھ بیٹھا کیونکہ ان کے اٹھنے کا وقت ہو گیا تھا۔ اور اکا دکا ٹریفک بھی قبرستان روڈ پر چل پڑی تھی۔ تینوں راشد کو اپنے ساتھ نہ پا کر تشویش میں مبتلا ہو گئے۔ پہلے تو وہ یہی سمجھے کہ شاید راشد ڈر کے مارے رات کے وقت کہیں فرار ہو گیا ہے لیکن پھر اچانک اکو کی نگاہ گیراج کی چھت پر پڑی۔ وہ چونکا

"ارے ارے وہ سویا ہوا ہے۔ اوپر چھت پر"

"راشد..... اور راشد....." تینوں نے باری باری راشد کو پکارنا شروع کیا۔ اس وقت راشد کی آنکھ کھلی وہ ساری رات جاگتا رہا اور تقریباً سحری کے قریب اس کی آنکھ ہی نہیں لگی تھی اسے بخار بھی چڑھ گیا تھا۔ وہ اکو اسلم اور گولے کی آوازیں سن کر اٹھ بیٹھا اور آنکھیں ملتے ہوئے بجلی کے کھمبے سے لٹک کر نیچے اترا۔ تینوں نے اسے دیکھ کر مذاق کے طور پر ہنسنا شروع کر دیا۔

"ارے بھئی راشد کوئی مردہ رات اوپر چھت پر تو نہیں آ گیا تھا ناں؟" اسلم نے چھیڑ خانی کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں بھائی اتنی اونچی چھت پر مُردہ کیسے چڑھ سکتا ہے بھلا۔ وہ بندر تھوڑی ہے کہ لٹک کر اوپر چلا جائے گا" اکو نے مزید چھیڑا۔

"کیوں نہیں اوپر کیوں نہیں جا سکتا ہے۔" اب کے گولا بولا "جو مردہ قبر توڑ کر باہر نکل سکتا ہے وہ گیراج کی چھت پر بھی چڑھ سکتا ہے۔" اور پھر تینوں نے کھلکھلا کر ہنسنا شروع کر دیا۔ لیکن جب تینوں نے دیکھا کہ راشد آگے سے مذاق کا جواب مذاق سے نہیں دے رہا ہے اور بہت زیادہ سنجیدہ ہے تو پھر اکو اسلم اور گولا بھی سنجیدہ ہو گئے۔

"یار معاف کرنا بُرا نہیں ماننا ایسے ہی تیرے سے صبح صبح مسخری شروع کر دی" گولے نے اس کے ہاتھ کو چھو کر کہا۔ اور پھر اچانک چونکا "ارے یار تجھے تو بخار ہے"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔" راشد نے بات کو ٹال دیا۔ اور پھر چاروں نے سامنے میونسپلٹی کے

نلکے سے منہ ہاتھ دھویا۔ چائے کا کھوکھا تو صبح سویرے ہی کھل جاتا تھا چاروں نے دودھ پتی چائے پی اور مسکہ بند سے ناشتہ کر کے گیراج پر آ گئے۔ کھڑکا کرنے والے بڑے بڑے بے ڈھنگے سے دروازے کھولے۔ اندر سے گیراج کو چاروں نے مل کر جھاڑا پونچھا۔ اوزار صاف کر کے ٹھیک ٹھاک کئے اور مستری رحمت کے آنے سے پہلے پہلے چاروں ایک گاڑی پر کام کرنے لگے۔

عام طور پر وہ چاروں چار الگ الگ گاڑیوں پر کام کرتے تھے جو گیراج کے باہر کھڑی رہتی تھی۔ کبھی دو دو مل کر ایک گاڑی کی مرمت کرتے اور کبھی کسی گاڑی میں کام زیادہ ہوتا یا جلدی دینی ہوتی تو چاروں ایک ہی گاڑی پر جُٹ جاتے۔ اور یہ کام کی تقسیم بھی استاد ہی کی طرف سے کی جاتی تھی۔ رات بھی استاد ہی نے چاروں کی ڈیوٹی ایک جیپ پر لگا دی تھی۔ جو کسی خاصے بڑے افسر شاہ جی کی جیپ تھی اور جو شام تک تیار کر دینی تھی۔ لڑکوں نے حسب معمول ہنسی مذاق کرتے ہوئے گاڑی پہ کام شروع کر دیا لیکن راشد چپ چاپ اور کھویا کھویا سا رہا۔ رات اس نے جو کچھ دیکھا تھا۔ وہ اس بارے میں کسی سے بات کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اسے یقین تھا کہ اکو، اسلم اور گولا اس کی بات کا نہ صرف یقین نہیں کریں گے بلکہ اس کا مذاق بھی اڑائیں گے۔ لہٰذا اس نے بالکل چُپ سادھے رکھی۔

"کیا بات ہے راشد تم اتنے چپ کیوں ہو" اسلم نے پوچھا جو عمر میں راشد سے بڑا تھا اور اس کے لہجے میں کچھ ہمدردی بھی تھی۔ لیکن جب راشد پھر بھی نہ بولا تو اکو نے پوچھا

"کیا رات کوئی ڈراونا خواب دیکھا ہے"

"خواب نہیں اکو حقیقت تھی....." راشد بولا۔

"کیا حقیقت تھی۔" اکو نے پوچھا۔

"وہ دیوار کے اس طرف جو نیم کا پیڑ ہے ناں" راشد نے سنجیدگی سے بتانا شروع کیا۔ "اس پیڑ کے نیچے کل جو نئی قبر بنی تھی"

"اس میں سے کچھ نکل آیا....." گولے نے تمسخر اڑاتے ہوئے بات مکمل کی۔ جس پر اسلم اکو اور گولا تینوں ہنسنے لگے۔

"کچھ دبایا گیا اس میں" راشد نے غصے سے لال پیلا ہو کر گولے کو ایک گھُرکی دی۔ "اس میں کوئی ایسی چیز دبائی گئی ہے جو مردہ نہیں تھا۔"

"زندہ تھی....." گولے نے کہا اور پھر سب ہنس پڑے۔

"زندہ بھی نہیں تھی مردہ بھی نہیں تھا" راشد اپنی بات پر زور دے کر بولا۔

"بھئی یہ تو پہیلی ہو گئی۔ آ سہیلی بوجھ پہیلی" اکو نے ہنس کر کہا اور جیسے تینوں چاروں ایک لمحے کے لئے کام چھوڑ کر بیٹھ گئے۔

"دیکھ راشد....." اب کے گولا قدرے سنجیدہ ہو کر اسے سمجھانے لگا۔ "قبر جب کھودی جاتی ہے ناں تب میرا باوا کھودتا ہے اور جب مردہ دفنایا جاتا ہے تو میرا باوا اتارتا ہے اسے قبر میں"

"لیکن رات تیرا باوا نہیں تھا قبرستان میں"

راشد بڑے یقین کے ساتھ بولا "میں نے ایک ایک بندے کو دیکھا ان میں تیرا باوا نہیں تھا۔"

"میرا باوا تو مردے سے بھی پہلے قبر میں اترتا ہے۔" گولے نے بے ساختہ جواب دیا۔ جس پر سب کاریگر لڑکے کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

بات ہنسی میں ہی ٹل کر آئی گئی ہو جاتی لیکن جب استاد کام پر آیا تو اس وقت شاہ جی استاد کے ساتھ تھے۔ جو اسی وقت کہیں راستے میں استاد رحمت کو مل گئے تھے اور استاد کے ساتھ اپنی گاڑی کو دیکھنے گیراج کی طرف آ گئے تھے۔

"یہ کیا باتوں میں لگے ہوئے ہو ہاتھ چلاؤ جلدی سے..... گاڑی شام کو دینی ہے" استاد رحمت نے ایک معمول کی ڈانٹ پلائی۔ جس میں غصہ بھی تھا اور شفقت بھی۔

"استاد! کام ہی کر رہے تھے..... بس یہ راشد کی باتیں" گولے نے استاد کے سامنے چھیڑ چھاڑ کرنے کی کوشش کی۔

"کیا راشد کی باتیں....." استاد نے کہا "راشد تم سب سے اچھا کاریگر ہے۔ وہ کام کرتا ہے۔ تم باتیں کرتے ہو"

"استاد آج آپ اس کی باتیں سنو گے تو حیران ہو جاؤ گے۔" اسلم نے لقمہ دیتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے راشد....." استاد نے پوچھا

"کچھ نہیں استاد..... راشد نے پلاس اٹھا لیا اور کام کرنے لگ گیا۔ اسے ندامت سی ہو رہی تھی۔

"استاد! کہتا ہے۔ اس نے رات قبر میں مردے کی بجائے کچھ چیز دفن ہوتے ہوئے دیکھی ہے" اب کے اکو نے جواب دیا۔

"کوئی بات نہیں ہنستے کیوں ہو مذاق کیوں اڑاتے ہو بے چارے کا" استاد نے راشد کا ساتھ دیتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ قبرستان میں سونے کے عادی ہو گئے ہو۔ یہ عادی نہیں ہے۔ اس لئے کوئی ڈراونا خواب دیکھ لیا ہو گا"

"خواب نہیں تھا استاد حقیقت تھی۔" راشد نے پھر یقین کے ساتھ استاد کی طرف مڑ کر کہا "کچھ لوگ رات کو جنازہ لے کر آ گئے لیکن چارپائی میں میت نہیں تھی۔ کچھ سامان دفن کر کے چلے گئے ہیں"

"تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔" اب کے شاہ جی چونک پڑے۔

"جی سر....." راشد وثوق سے بولا۔

"ہونہہ....." شاہ جی گہری سوچ میں پڑ گئے۔ اور سگریٹ سلگا کے کسی خیال میں کھوئے ایک چھوٹے سے دائرے کی شکل میں گھوم گئے۔

"کیا بات ہے شاہ جی....." استاد رحمت نے شاہ جی کو پریشان دیکھ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں..... کوئی خاص بات نہیں" شاہ جی ٹال گئے" گاڑی شام کو کب دے دو گے"

"ایسے ہی کوئی چھ سات کے درمیان....." رحمت نے اندازاً بتایا۔

"ٹھیک ہے میں شام کو آؤں گا۔" شاہ جی نے جاتے جاتے کہا۔ اور پھر کچھ عجیب نظروں سے پلٹ کر راشد کی طرف دیکھا۔ اور دوبارہ پوچھا لڑکے تمہیں یقین ہے یہ سب کچھ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔"

"جی سر! میں نے خود اپنی آنکھ....." راشد کہتے کہتے ڈر کر چپ سا ہوگیا۔ جیسے وہ کوئی غلط بات کہہ رہا ہو۔" کوئی بات نہیں..... ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" شاہ جی نے پھر بات کو ٹال دیا اور مین روڈ کی طرف چلے گئے۔ راشد خود بھی شاہ جی کے اس رویئے پر حیران بلکہ پریشان ہو گیا۔ مستری رحمت کو بھی حیرت ہوئی اور لڑکے بھی سوچنے لگے کہ شاہ جی نے راشد کی اس بات کا اتنی سنجیدگی سے کیوں نوٹس لیا ہے۔ تاہم اس کے بعد نہ تو راشد نے اور نہ دوسرے لڑکوں نے اس مسئلے پر کوئی بات کی۔ چونکہ گاڑی شام کو شاہ جی کے حوالے کرنی تھی اس لئے مستری رحمت کی نگرانی میں چاروں لڑکے کام سے جتے رہے اور شام چھ بجے کے لگ بھگ شاہ جی آئے تو ان کی گاڑی مکمل طور پر تیار تھی۔

"ہاں استاد ہوگئی گاڑی" شاہ جی نے آتے ہی پوچھا۔

"جی شاہ جی اے ون ہوگئی ہے۔ ایک راؤنڈ ذرا لگا کے دیکھ لیں۔" استاد رحمت نے جواب دیا۔

اور شاہ جی بہت مستعدی سے اسٹیرنگ پر بیٹھ گئے اور ایک ہی سیلف سے گاڑی اسٹارٹ کر دی

"ٹچ اسٹارٹ ہو گئی ہے شاہ جی ٹچ اسٹارٹ" استاد نے اتراتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے تمہاری استاد....." شاہ جی استاد کو داد دیتے ہوئے بولے اور پھر گاڑی کو گیئر میں ڈالتے ہوئے کہنے لگے۔ "کسی لڑکے کو بٹھا دو میرے ساتھ"

"جاؤ اسلم۔ شاہ جی کے ساتھ راؤنڈ پر جاؤ۔" استاد نے اسلم کو حکم دیا۔

"نہیں استاد۔ اس کو ساتھ کر دو۔ کیا نام ہے اس کا" شاہ نے راشد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"راشد۔" استاد بولے۔

"ہاں اس کو آنے دو راشد کو۔" شاہ جی بولے۔ "تم نے کہا تھا یہ کچھ زیادہ سیانا کاریگر ہے گاڑی کے کام میں۔

"جاؤ راشد۔ شاہ جی کے ساتھ جاؤ" اب کے استاد نے راشد کو حکم دیا راشد نے کچھ پلاس اسپانرز وغیرہ اپنے پاس رکھے اور شاہ جی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ گاڑی نے اسٹارٹ لیا اور چند لمحوں میں نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

شاہ جی ایک اچھی صحت رکھنے والے لحیم شحیم اور پر وقار شخصیت کے مالک تھے۔ وہ استاد کے پرانے گاہک نہیں تھے۔ انہوں نے حال ہی میں استاد سے گاڑی مرمت کرانی شروع کی تھی لیکن چند ہی روز میں استاد رحمت کے بہت اچھے گاہک بن گئے تھے اور مختلف گاڑیوں کے ذریعے استاد رحمت کے گیراج میں آنے جانے لگے تھے۔

اس دن شاہ جی نے ایک گاڑی کی ٹرائی کے لئے راشد کے ساتھ مختصر سی ڈرائیو کی اور پھر گارڈن کی جانب گاڑی موڑ کر ایک صاف ستھرے علاقے میں داخل ہوئے اور ایک بنگلے کے سامنے تنہا سی جگہ پر گاڑی روک دی۔ اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بڑی راز داری سے پوچھنے لگے

"راشد..... کیا تم وہ قبر مجھے دکھا سکتے ہو جس میں مردے کی بجائے کچھ اور سامان رکھا گیا ہے" راشد شاہ جی کے اس سوال پر پہلے تو چونکا لیکن پھر فوراً بولا "کیوں نہیں سر..... سامنے ہی تو ہے وہ قبر..... آپ جب کہیں میں وہ قبر آپ کو بتا سکتا ہوں..... بولیں تو ابھی....."

"نہیں نہیں ابھی نہیں....." شاہ جی نے اس کی ادھوری بات کاٹی "میں اس موضوع پر تم سے پھر بات کروں گا مجھے تمہاری مدد چاہئے"

"میری مدد....." راشد نے حیرانگی سے پوچھا۔

"ہاں تمہاری مدد....." شاہ جی نے کہا "تمہارا باپ منشیات کا عادی تھا ناں۔ اور اسی نشے سے مرا ہے۔ اور تم اسی لئے....."

"جی....." راشد چونکا "جی جی..... آپ کو کیسے معلوم"

"مجھے یہ سب کچھ معلوم ہے۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس علاقے میں منشیات کا بہت بڑا کاروبار ہو رہا ہے" شاہ جی نے بہت راز داری سے کہا اور پھر کہنے لگے۔ "اس سلسلے میں مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے" اور پھر خود ہی کہنے لگے "اور اگر کبھی تمہیں میری مدد کی ضرورت پڑے تو اس بنگلے کو یاد رکھنا۔ میں یہاں رہتا ہوں" انہوں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور واپس گیراج کی طرف روانہ ہو گئے۔ انہوں نے راشد کو کچھ نہیں بتایا کہ وہ خود کون ہیں اور نہ ہی راشد نے پوچھا۔

"ان باتوں کا کسی سے ذکر نہیں کرنا۔" راستے میں ایک جگہ انہوں نے راشد کو تنبیہ کی "اور نہ

اس ملاقات کا تذکرہ کرنا ورنہ تمہاری زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ تمہارے آس پاس بہت خطرناک لوگ ہیں۔ سمجھ گئے ناں"

"جی سر...... " راشد نے آہستہ سے کہا...... اور گاڑی جب گیراج پر پہنچی تو کاریگر اور استاد گاڑی کی آواز اور رفتار سن کر بہت خوش ہوئے۔

"کیسی ہے سر...... " استاد نے شاہ جی سے پوچھا۔

"اے ون ...... " شاہ جی بولے اور گاڑی مطمئن ہو کر لے گئے۔ اور دام چکا دیئے۔

.... ○○○○ ....

شام کو چاروں کھوکھے پر بیٹھ کر جب کھانا کھا چکے تو گولے کا گورکن باپ عیسیٰ اچانک قبرستان کی طرف سے آ گیا۔

"بابا کہاں سے آ رہے ہو۔ " گولے نے پوچھا

ہم نے کہاں سے آنا ہے بیٹا۔ یا قبرستان جا رہے ہوتے ہیں یا قبرستان سے آ رہے ہوتے ہیں" گولے کے بابا نے بے نیازی سے کہا "ابھی مردہ دفنا کے آ رہے ہیں۔ "

"مردہ دفن کیا ہے یا کچھ اور دبایا ہے قبر میں" گولے نے باپ سے مذاق کیا۔

"کیا مطلب ...... " عیسیٰ چونکا اور غصے سے بیٹے کی طرف دیکھا۔ "مذاق کرتے ہو میرے ساتھ اپنے باپ سے"

"نہیں بابا...... وہ یہ راشد ہے ناں ...... گولا بابا کا غصہ دیکھ کر ڈرتے ڈرتے بولا اور راشد کا سارا قصہ سنا دیا کہ اس کے بقول اس نے کس طرح رات قبر میں مردے کی جگہ کسی اور چیز کو دفن ہوتے دیکھا ہے۔

"کیا یہ سب کچھ تم نے اپنی آنکھ سے دیکھا ...... " عیسیٰ نے انتہائی سنجیدہ لہجے میں سوال کیا۔

"نہیں نہیں...... نہیں چاچا نہیں" وہ بوکھلاہٹ سے بولا "میں نے ایسی کوئی بات نہیں دیکھی۔ میں دراصل ڈر گیا تھا" راشد نے بات کو پلٹتے ہوئے کہا۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں بیٹے...... چند روز یہاں رہو گے تو تمہارا ڈر نکل جائے گا" عیسیٰ نے اسے تھپکی دیتے ہوئے تسلی دی اور پھاوڑا گھماتے ہوئے چلا گیا۔

اسی شام سونے سے پہلے راشد کسی ضرورت کے تحت دور جھاڑیوں کی طرف گیا اور فراغت پا کر جب واپس آ رہا تھا تو اچانک درختوں کی اوٹ سے اسے ایک سایہ نمودار ہوتا دکھائی دیا۔ پہلے تو وہ ڈر گیا اور جب غور سے دیکھا تو وہ گولے کا باپ عیسیٰ تھا۔

"اوہ چاچا تم ...." وہ دھڑکتے دل سے بولا۔
"ڈر گئے تھے "؟ ...... عیسیٰ ہنسا۔
"ہاں میں سمجھا پتہ نہیں کون ہے" راشد اطمینان کا سانس لے کر بولا
"ڈرا مت کرو ...... ماشاء اللہ اب تم جوان آدمی ہو" عیسیٰ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا
" آجاؤ میرے ساتھ "
"کہاں ؟..... " راشد نے پوچھا۔
"تمہیں ایک چیز دکھاؤں" عیسیٰ نے ہاتھ میں پکڑی ٹارچ کی روشنی ایک لہر کی طرح اندر قبرستان کی نالیوں میں دوڑاتے ہوئے کہا۔ "شاباش آجاؤ میرے ساتھ ڈرو نہیں" عیسیٰ کے لہجے میں بہت شفقت اور ہمدردی تھی کہنے لگا۔" آج میں تمہیں ایک ایسی چیز دکھاؤں گا کہ تم آئندہ کبھی نہیں ڈرو گے"

راشد ایک معمہ بنے دھیرے دھیرے عیسیٰ کے پیچھے چل پڑا۔ قبرستان کے بیچوں بیچ نئی اور پرانی قبروں کی درمیانی نالیوں سے گذرتا اور قبروں کو پھلانگتا ہوا عیسیٰ کے ساتھ ساتھ چلتا جب کافی اندر قبرستان میں پہنچا تو اچانک ایک قبر کے پاس پہنچ کر عیسیٰ رک گیا اور اس کی گہرائی میں ٹارچ کی روشنی پھینکتے ہوئے بولا

"جانتے ہو یہ کیا ہے ؟ "
"قبر ...... " راشد نے آہستہ سے جواب دیا۔
"یہ میں نے ابھی ابھی کھودی ہے۔ " عیسیٰ نے انکشاف کیا۔
"ہاں لگ رہی ہے تازہ" راشد نے جواب دیا۔ لیکن وہ زیادہ خوف زدہ نہیں تھا کہ گولے کا باپ عیسیٰ اس کے ساتھ تھا۔
"جانتے ہو یہ قبر میں نے کس کے لئے کھودی ہے؟ " عیسیٰ نے سوال کیا۔
"نہیں۔ ...... " راشد نے معصومیت سے نفی میں سر ہلایا۔ "مجھے نہیں معلوم "
"یہ تمہاری قبر ہے۔ " عیسیٰ نے کہا اور اس کے لہجے کے ساتھ ہی عیسیٰ کے چہرے کا رنگ بھی بدل گیا تھا۔ راشد نے جست لگا کر بھاگنا چاہا لیکن عیسیٰ نے نہایت مہارت سے راشد کی ٹانگ میں ٹانگ اڑائی اور اڑ نگا دے کر قبر میں پھینک دیا۔ راشد کی گھگھی بندھ گئی۔
"ایک آواز بھی نکلی تو اوپر مٹی کا ڈھیر پھینک دوں گا" عیسیٰ گور کن نے ٹارچ بند کی اور پھاوڑا اٹھا لیا اور دھیرے دھیرے راشد پر مٹی پھینکنے لگا۔ باوجود کوشش کے راشد ایک چیخ بھی بلند نہیں کر سکا۔ اس کی آواز خوف سے بند ہو گئی تھی۔ (باقی آئندہ)

کھٹ مٹھے

ماہ رواں کے منتخب لطائف

۱۹۸۸ء کے الیکشن کی بات ہے ایک صاحب تیز تیز قدم اٹھاتے چلے جارہے تھے۔ ایک واقف نے پوچھا، "کہاں جارہے ہو؟" تو انہوں نے جواب دیا "اپنے والد کی تلاش میں۔"

"والد کی تلاش میں؟" مذاق تو نہیں کررہے ہو؟"

واقف نے حیرت سے کہا۔ "انہیں تو فوت ہوئے دو سال ہو گئے ہیں"

"بھئی دوسروں کی لسٹ میں انکا بھی نام تھا اور معلوم ہوا ہے کہ کوئی صاحب انکا ووٹ بھگتا آئے ہیں۔ میں ان ہی صاحب کی قدم بوسی کے لئے جارہا ہوں۔" والد مرحوم کے بیٹے نے جواب دیا۔

مجتبیٰ الرحمٰن اسد
میرپور آزاد کشمیر

انعامی لطیفہ

ایک صاحب موت سے بہت ڈرتے تھے یہاں تک کہ گھر میں اس لفظ کا استعمال بھی بند تھا اگر محلے میں کوئی مرجاتا تو کہا جاتا ہے وہ پیدا ہو گیا ہے۔

ایک روز ان کے گھر ایک مہمان آیا اس کو اس بات کی خبر نہیں تھی ابھی میزبان اور مہمان کے درمیان باتیں ہی ہو رہی تھیں کہ گھر کا ملازم روتا ہوا آیا مالک نے رونے کی وجہ پوچھی تو کہنے لگا۔ "میرے ابا پیدا ہو گئے ہیں۔" مہمان نے حیرانگی سے پوچھا۔ "کیا؟" جواب میں نوکر اور زور سے روتے ہوا بولا۔ "جی ہاں میرے ہاں میرے ابا پیدا ہو گئے ہیں۔" مہمان نے پوچھا۔ "اور تمہاری ماں؟" نوکر نے جواب دیا "وہ تو تین سال پہلے ہی پیدا ہو گئی تھیں۔" مہمان نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے پھر سوال کیا۔ "پھر تم کب پیدا ہوئے؟" نوکر نے آبدیدہ ہو کر جواب دیا۔ "صاحب اگر یہی حالت رہی تو میں بھی کسی وقت پیدا ہو جاؤں گا۔"

عائشہ اقبال زیدی..... کراچی

ایک جنگل میں شیر کو یہ غرور ہوا کہ وہ جنگل کا بادشاہ ہے۔ چنانچہ وہ ہر جانور کے پاس جاتا اور پوچھتا "بتاؤ جنگل کا بادشاہ کون ہے۔؟" جانور ڈر کر کہتا "جناب آپ کے سوا کوئی نہیں"۔ اسی طرح جب شیر ہاتھی کے پاس پہنچا اور اپنا سوال دھرایا تو ہاتھی نے اطمینان سے شیر کو سونڈ میں لپیٹا اور زور سے زمین پر پٹخ دیا۔ شیر کمر سہلاتا ہوا اٹھا اور کہنے لگا "بھائی اگر تمہیں جواب نہیں معلوم تھا تو ایسا مذاق کرنے کی کیا ضرورت تھی"۔

محمد ظفر ایوب ایف۔ بی۔ ایریا کراچی

دیکھتا ہوں میں.... تم کیسے نہیں جاتے اسکول

عمر رسیدہ میاں بیوی نے اپنی صحت کو بہتر رکھنے کے لئے ہر صبح دو میل پیدل چلنے کا ارادہ کیا۔ اگلی صبح ایک میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد دونوں بہت تھک گئے۔ میاں نے بیوی سے پوچھا۔ "تم تھک تو نہیں گئی؟" بیگم بہت تھک گئی تھیں مگر ان کی ہمدردی دیکھتے ہوئی بولیں۔ "نہیں! ابھی تو میں دو میل اور چل سکتی ہوں۔" اس پر میاں بولے۔ "پھر ایسا کرو کہ واپس جاکر کار لے آؤ۔ میں تو بہت تھک گیا ہوں۔"

ثوبیہ اختر، کراچی

ایک دوست:۔ "تمہارے انکل ہمیشہ نشے میں دھت سڑکوں پر گھومتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کسی روز کسی تیز رفتار گاڑی کے نیچے آکر کچل نہ جائیں۔"

دوسرا دوست:۔ "انکل کبھی کسی گاڑی کے نیچے نہیں آسکتے۔ تیز سے تیز ترین گاڑی بھی ان کے قریب پہنچ کر رکنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔"

پہلا دوست:۔ "اس کی وجہ؟"

دوسرا دوست:۔ "ان کی قمیص کے آگے اور پیچھے جلی حروف میں لکھا ہے "ہوشیار آتش گیر مادہ۔"

سیف الرحمٰن عبدالرشید۔ لی مارکیٹ کراچی

نوجوان بیٹسمین کھیلنے جاتے ہوئے بہت زیادہ نروس تھا۔ وہ پویلین کی سڑھیوں سے اتر رہا تھا کہ ایک تماشائی نے اسے مخاطب کیا۔ "سنیں، میں نے آپ پر شرط لگائی ہے۔" "اوہ" بیٹسمین کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا

اور وہ بولا "شاید میں خوشی کے مارے صفر پر آؤٹ ہو جاؤں۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" تماشائی نے کہا۔ "میں نے یہی تو شرط لگائی ہے۔"

محمد فیصل..... نیو کراچی

○

ایک ہوٹل میں ریڈیو پوری آواز سے بج رہا تھا اس وقت ریڈیو سے کرکٹ کی کمنٹری نشر ہو رہی تھی۔ ایک صاحب جو کمنٹری سن رہے تھے ان کے کانوں میں اس طرح کے جملے پڑ رہے تھے۔ اوئے چھوٹے پانچ کپ چائے دو رن بنائے جاوید میانداد چھکا لگا کر چاول لاؤ۔ سلیم ملک چار رن ڈبل چائے۔ وال کیچ آؤٹ۔ عمران خان دو پلیٹ آؤٹ اور ایک انڈا ایک رن آؤٹ۔

سید فہیم الحق..... کراچی

○

"آپ بڑے ہو کر کیا بنیں گے؟"

"میں مریض بن کر ڈاکٹروں کی خدمت کروں گا۔"

روبینہ ناز، مخدوم پور پہوڑاں

اس طرح مطالعے کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔

ان کی دُعا سے ہمارے بزنس کا گراف بہت اُوپر جا رہا ہے

ایک دن ملا نصر الدین حلوائی کے دکان کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ حلوہ دیکھتے ہی بھوک لگ گئی۔ ملا نصر الدین نے دس روپے کا حلوہ مانگا۔

حلوہ گرم تھا اس لئے ملا نصر الدین جلدی جلدی کھانے لگے۔ حلوائی سمجھا کہ یہ مفت خور ہے۔ چپل اتار کر مارنے لگا جب خوب مارا تو ملا نصر الدین کہنے لگا۔ "کتنے مہمان نواز لوگ ہیں مار مار کے زبردستی کھلاتے ہیں۔"

عدیل احمد، کراچی

○

کسٹم آفیسر۔ "میں نے بہت دفعہ تمہارے ٹرک کی تلاشی لی کچھ مگر برآمد نہیں ہوا۔ تم کیا کرتے تھے؟"

آدمی۔ "میں اسمگلنگ کیا کرتا تھا!"

کسٹم آفیسر۔ "مگر آج تک تو کچھ برآمد نہیں ہوا تم اسمگل کیا کرتے تھے۔"

آدمی۔ "ٹرک!" کاشف عالم خان..... کراچی

ایک بہت بڑے اسپیشلسٹ سے ملاقات کا وقت لینے کے لئے کئی کئی مہینے انتظار کرنا پڑتا تھا۔ لیکن ایک مرتبہ ڈاکٹر صاحب بغیر اپوائنٹ منٹ کے ایک مریض کے گھر پہنچ گئے۔ مریض بہت خوش ہوا اور کہنے لگا۔ "آپ نے بہت عنایت کی جو تشریف لائے مگر مجھے تو آپ نے غالباً اگلے ماہ کا ٹائم دیا ہوا ہے۔"

ڈاکٹر مسکرایا اور بولا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو۔ دراصل ہوا یہ کہ تمہارے ساتھ والے بلاک میں میرا ایک اپوئنٹمنٹ تھا وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ متعلقہ مریض پچھلے ہفتے فوت ہو چکا ہے میں نے سوچا کیوں نہ ایک تیر سے دو سے شکار کرتے چلیں۔"

عامر زیدی..... حیدر آباد

○

ایک شخص پولیس کی ملازمت کا امیدوار تھا۔ پولیس کے سپرنٹنڈنٹ سے اس کی رشتہ داری بھی تھی۔ اس لئے اس کے ساتھ امتحان میں رعایت کی جا رہی تھی۔ ممتحن نے پوچھا۔ "ابراہم لنکن کو کس نے قتل کیا تھا؟" وہ کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "مجھے اس کا جواب دینے کے لئے کچھ وقت چاہئے۔" ممتحن نے کہا۔ "ضرور، آپ جائیں اور کل صحیح جواب لے کر آئیں۔" امیدوار گھر گیا تو بیوی نے پوچھا۔ "کیا رہا؟ ملازمت مل گئی" وہ بولا۔ "معلوم تو یہی ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے مجھے قتل کا ایک کیس دیا ہے اور قاتل کی تلاش پر لگا دیا ہے۔"

نائلہ بختیار..... کوہاٹ

یہ رہا تمہارا کمرہ۔ مالک مکان نے کہا۔ "کوئی شکایت تو نہیں ہے؟"

کرائے دار نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ "بس ٹھیک ٹھاک ہے لیکن کھڑکیاں ذرا چھوٹی ہیں، اشد ضرورت کے وقت کام نہیں آ سکیں گی۔"

"کوئی اشد ضرورت پیش نہیں آئے گی۔" مالک مکان نے اطمینان دلایا۔ "دراصل ہم اپنے کمروں کا کرایہ پیشگی وصول کر لیتے ہیں۔"

جنید اختر، کراچی

○

ایک صاحب کسی مشہور رسالے کو ایڈیٹر تھے دوسرے ایڈیٹروں کی طرح بہت سے مضامین اور کہانیاں کو ناقابل اشاعت قرار دینا ان کے فرائض میں سے تھا۔ ایک بار ایک خاتون نے انہیں لکھا۔ "جناب! آپ نے پچھلے ہفتے میری ایک کہانی واپس کی ہے مجھے معلوم ہے کہ آپ نے میری کہانی پڑھی ہی نہیں ہے چونکہ میں نے آزمائش کی خاطر صفحہ ۱۸، ۱۹ اور ۲۰ کو جوڑ دیا تھا چونکہ یہ صفحے جڑے ہوئے ملے اس لئے مجھے اندازہ ہو گیا کہ آپ پڑھے بغیر ہی کہانیاں واپس کر دیتے ہیں۔" ایڈیٹر صاحب نے جواب میں لکھا۔ "محترمہ! میں ناشتے کے وقت انڈا توڑتا ہوں تو اوپر ہی سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ انڈا گندہ ہے یا ٹھیک ہے۔"

محمد شاہد..... کراچی

لطیفوں کے ساتھ اپنا نام اور پتا ضرور ارسال کریں۔

فلموں اور جاسوسی ناولوں کے "ہیروز" کو ہم دنیا کے آٹھویں عجوبے میں شمار کر سکتے ہیں۔ آٹھ دس غنڈوں اور بدمعاشوں کی طبیعت صاف کرنا ان کے لئے کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔ ایسی کون سی صلاحیت ہے جو ان ہیروز میں موجود نہ ہو۔ وقت پڑنے پر وہ اپنی صلاحیتوں کا وہ مظاہرہ کرتے ہیں کہ مدمقابل کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔ یہ تو آپ سب بخوبی جانتے ہیں کہ ایک فلم کا ہیرو صرف ایک ہی ہوتا ہے جبکہ ولن بے شمار اور قطار در قطار ہوتے ہیں۔ فلم میں اگر ہیرو کا کوئی دوست یا عزیز ہستی کا قتل ہو جائے تو ہیرو صاحب اس کی لاش کے پاس کھڑے ہو کر اس کے خون کی قسم کھاتے ہوئے بدلے کا اعلان کرتے ہیں اور ناممکن ہے کہ ہیرو کی قسم پوری نہ ہو۔ وہ دشمنوں کو گن گن کر چُنے گا اور چُن چُن کر مار دے گا۔

ہیرو صاحب جس دشمن کی طرف بندوق تو ایک طرف انگلی سے بھی اشارہ کر دیں تو وہ چاروں شانے چت ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر دشمن یا بدمعاش برادر زان ہیرو صاحب پر گولیوں کی بوچھاڑ بھی کر دیں تو کیا مجال ہے کہ کوئی گولی ہیرو کو چھُو بھی جائے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ گولی بھی ہیرو کا لحاظ کرتی ہے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اپنی طرف آنے والی گولیاں پکڑ کر ہیرو صاحب اپنی بندوق میں لوڈ کر لیتے ہیں اور الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مصداق دشمنوں کی گولیاں انہی پر لوٹا دیتے ہیں۔ لڑائی کا انجام ہیرو کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔

یہ تو فلمی ہیرو میاں تھے، جاسوسی ناولوں کے ہیرو صاحبان ان سے بھی زیادہ استاد ہوتے ہیں۔ ان کی پھرتی اور چستی قابل دید بھی ہوتی ہے اور قابل رشک بھی۔

مثال کے طور پر اگر ہیرو صاحب چلے جا رہے ہیں اور کسی نامعلوم سمت سے کوئی گولی اچانک آدھمکتی ہے گولی اور ہیرو کے فولادی سینے کے درمیان جب فاصلہ ایک یا دو انچ کا رہ جاتا ہے تو اچانک ہیرو صاحب کو الہام ہوتا ہے اور ان کی غالباً ساتویں حس خطرے کا الارم بجا دیتی ہے۔ الارم سن کر ہیرو صاحب بڑے اطمینان کے ساتھ فضا میں تین چار قلابازیاں کھائیں گے اور دشمن کی گولی ضائع جائے گی۔ ہال تماشائیوں کی تالیوں سے گونج اٹھے گا۔ (ہیرو کہتے ہی اس کو ہیں جسے دیکھتے ہی ہال تالیاں بجانے لگے)۔

اور فرض کیجئے گولی کی جگہ حملہ خنجر سے ہو تو ہیرو صاحب نہایت سکون سے خنجر کو دیکھتے رہیں گے۔ جونہی خنجر قریب آئے گا اطمینان سے ہاتھ بڑھا کر خنجر کو دستے سے دبوچ لیں گے اور قریب رکھا ہوا خربوزہ کاٹ کر کھانے میں مشغول ہو جائیں گے۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ خنجر گھر لے جائیں گے تاکہ سبزی کاٹنے کے بھی کام آئے۔ یہ بتانے کی تو قطعاً ضرورت نہیں ہے کہ حملہ آور کا کیا حشر ہوتا ہے۔

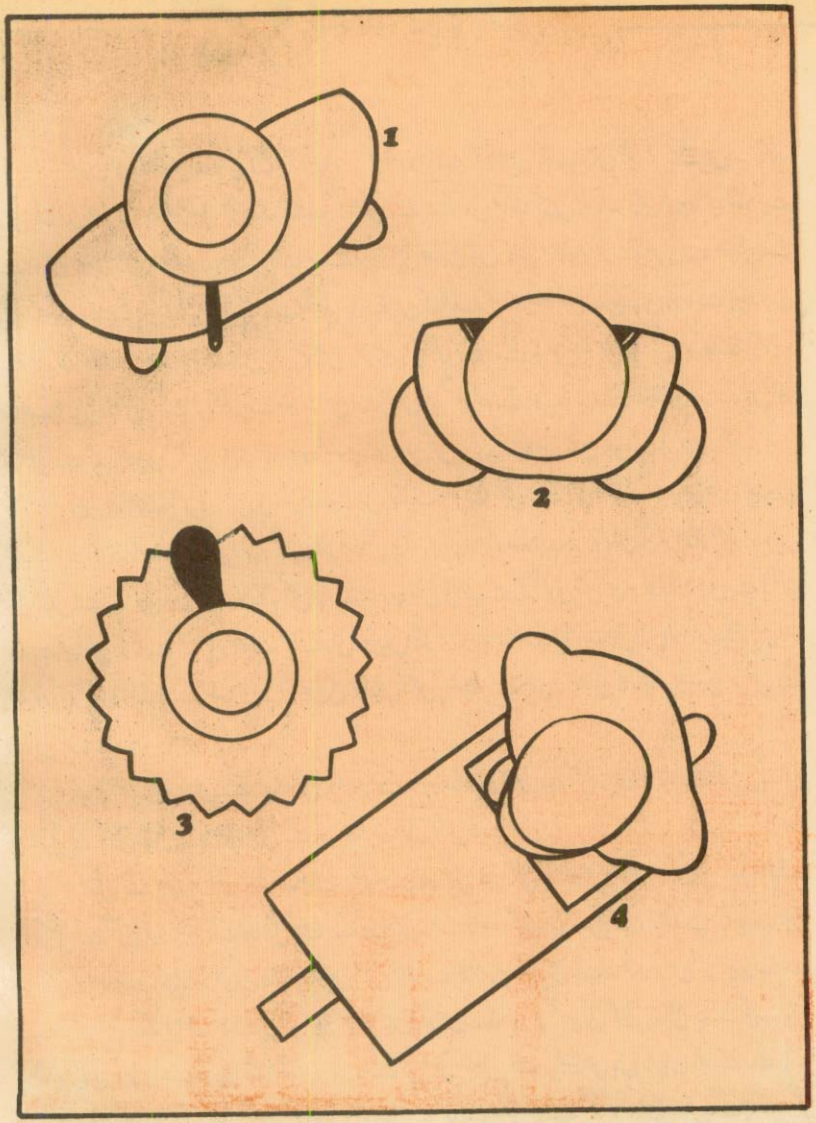

یہ سب کچھ کیا ہے ؟ ممکن ہے آپ پہلی نظر میں نہ سمجھ پائیں مگر بظاہر ان بے معنی سے ڈیزائنز کو سمجھنا اتنا مشکل بھی نہیں۔ کوشش کیجئے ۔ پھر بھی نہ سمجھ سکیں تو اس شمارے کے کسی اور صفحے پر اس کا جواب دیکھئے۔

یہ دُنیا بہت بڑی ہے

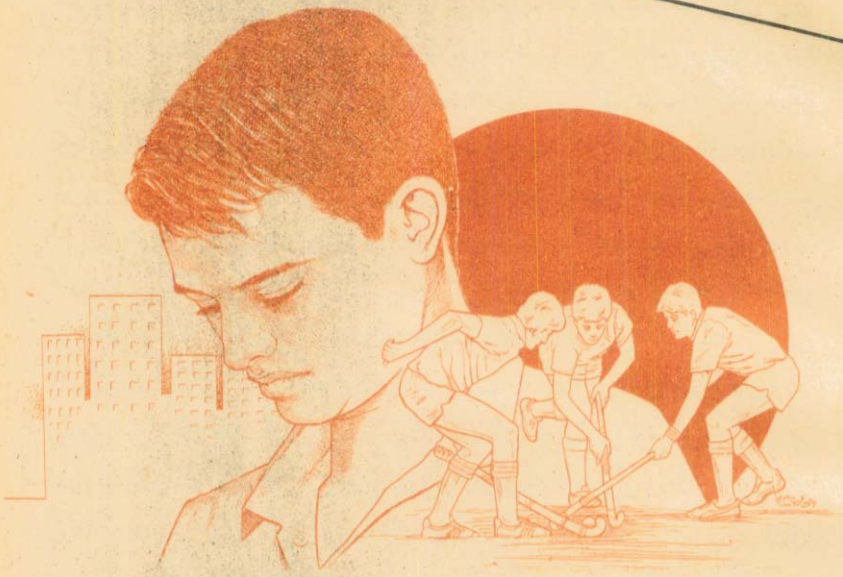

سلمان غزالی

شیر خان نے میدان میں قدم رکھا تو اک شور سا مچ گیا۔ شیر خان کے گاؤں کے لڑکوں کے چہرے کھل اٹھے اور وہ خوشی سے نعرے لگانے لگے۔ جبکہ دوسرے گاؤں کے لڑکوں کے چہرے مرجھا سے گئے۔ بیماری کی وجہ سے شیر خان ذرا ست سا لگ رہا تھا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہا تھا مگر جیسے ہی اس کے گاؤں کے لڑکے "شیر خان زندہ باد" "شداد پور زندہ باد" کے نعرے لگاتے ہوئے اس کی طرف لپکے تو احساس فخر سے اس کا جسم تن گیا سر اوپر اٹھ گیا اور وہ جلد جلد قدم اٹھانے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں تمام لڑکے اس کے گرد جمع ہو گئے کچھ لڑکوں نے مل کر شیر خان کو اٹھا لیا اور اس سمت بڑھنے لگے جہاں کھیل ہونا تھا۔ شیر خان "شداد پور" کا رہنے والا

تھا جو بلند و بالا کوہساروں کے دامن میں بکھرے ہوئے بے شمار دیہاتوں میں سے ایک تھا۔ یہاں کے لوگ بہت سیدھے سادے اور مخلص تھے۔ یہاں کے لڑکے بھی اپنے دیسی کھیل ہی کھیلتے تھے۔ سب سے پہلے گاؤں میں ہاکی شیر خان ہی نے شروع کی جو ایک شہر میں یہ کھیل دیکھ کر آیا تھا۔ جلد ہی یہ کھیل تمام دیہاتوں میں مقبول ہو گیا اور یہاں پر بھی باقاعدہ ہاکی کھیلی جانے لگی۔ تمام لڑکوں میں سب سے اچھا کھیل شیر خان کا ہی تھا۔ ایک تو وہ دوڑتا اتنا تیز تھا کہ ایک دفعہ گیند لے کر بھاگتا تو کوئی اس کی گرد کو بھی نہ پا سکتا اور پھر دوسرے لڑکوں کے مقابلے میں وہ بہت زیادہ پر اعتماد تھا۔ انہی خوبیوں کی وجہ سے اس نے سب پر اپنی برتری قائم کر لی تھی اور سب لڑکوں پر اس کی ایسی دھاک بیٹھ گئی تھی کہ شیر خان کے خلاف کھیلتے ہوئے لڑکے غیر شعوری طور پر سست پڑ جاتے۔ جس ٹیم میں شیر خان ہوتا وہ ہمیشہ جیتتی۔ یہی وجہ تھی کہ شیر خان کی موجودگی میں شداد پور کی ٹیم ہمیشہ فتح سے ہمکنار ہوتی۔ شیر خان کے کھیل میں کچھ خامیاں بھی تھیں۔ وہ کھیلتے ہوئے فاؤل کر جاتا جیسے بیک اسٹک ہے، باڈی پلے وغیرہ۔ مگر وہاں کے لوگ اتنی باریکیوں کو نہیں سمجھتے تھے اور پھر شیر خان کی اتنی عزت تھی کہ اس کا کہا ریفری بھی نہ ٹالتا تھا۔ بچے جوان، بوڑھے سب اسے چاہتے تھے اور سر آنکھوں پر بٹھاتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ شیر خان اچھا کھلاڑی تھا مگر گاؤں کے سیدھے سادے مخلص لوگوں نے شیر خان کو کچھ زیادہ ہی سر پر چڑھا دیا تھا۔ ٹیم میں اس کی شمولیت فتح کی ضمانت سمجھی جانی لگی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ شیر خان جب بیماری سے اٹھ کر غیر متوقع طور پر کھیلنے آ گیا تو اس کی ٹیم میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ان کو اپنی فتح کا یقین ہو گیا۔ شیر خان کمزوری کے باوجود اچھا کھیلا اور اس کی ٹیم میچ جیت گئی۔ اس دن شیر خان کی خوب واہ واہ ہوئی۔ اس کے ساتھیوں کے علاوہ بزرگوں نے بھی اسے خوب شاباش دی اور پیار کیا۔ رات کو چوپال میں بھی گفتگو کا مرکز وہ ہی رہا۔ اس تمام عرصے میں وہ خود کو آسمانوں میں اڑتا ہوا محسوس کرتا رہا۔ باقی تمام لڑکے اسے بہت چھوٹے نظر آنے لگے تھے۔ بالکل بونوں کی طرح۔ اور خود کو بہت بڑا محسوس کرنے لگا۔ پہلے بھی وہ اپنی فتح پر بہت خوش ہوتا تھا مگر آج اس خوشی میں غرور بھی شامل ہو گیا تھا۔ ساری رات شیر خان سو نہ سکا۔ دوسرے تمام کھلاڑی اسے بہت معمولی اور حقیر لگ رہے تھے۔ وہ بار بار یہی سوچتا کہ میرا اور ان کا کوئی جوڑ نہیں۔ ان لوگوں کے ساتھ کھیل کر میرا کھیل بھی خراب ہو جائے گا۔ میرا مقام یہ نہیں۔ وہ تمام لوگ اسے بیوقوف لگنے لگے تھے جن کے پیار اور خلوص نے اسے اس مقام تک پہنچایا تھا جو اس کے آگے بچھے جاتے تھے اور اس کی ہر بات مانتے تھے۔ دوسرے دن صبح وہ کھیلنے بھی نہیں گیا۔ دوستوں کے اصرار پر چند روز بعد شیر خان نے کھیلنا تو شروع کر دیا مگر اس کا رویہ اب بدلتا جا رہا تھا۔ وہ دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا اور بات بے بات ڈانٹ

دیتا۔ اس برے رویئے کا جواب بھی اسے پیار میں ملا۔ مگر شیر خان کی بد مزاجی بڑھتی ہی چلی گئی۔ ایک دن شیر خان اکیلا درختوں کے جھنڈ میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس کا چھوٹا بھائی منو بھاگتا ہوا آیا اور بولا، "آپ لوگ جو کھیل کھیلتے ہیں نا اس کی ہمارے ملک میں ٹیم بن رہی ہے"

"ٹیم بن رہی ہے۔ کیا مطلب؟" شیر خان حیرانی سے بولا۔

"بھائی جان دراصل بہت بڑے مقابلے ہو رہے ہیں جن میں ہمارے ملک کی ٹیم بھی کھیلے گی اور دوسرے ملک بھی جائے گی۔ ٹیم کے لئے کھلاڑی چنے جا رہے ہیں۔ شہر کے بڑے میدان میں تین دن تک یہ سلسلہ رہے گا۔" منو ایک ہی سانس میں کہتا چلا گیا۔

"مگر یہ سب تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" شیر خان کی آنکھوں سے ابھی تک حیرت جھلک رہی تھی۔ "بھائی دراصل وہ ساتھ والے گاؤں کے چوہدری نیاز کا چھوٹا بیٹا ہے ناں! اکرم۔ اس کے پاس بیٹری سے چلنے والا ڈبا ہے کیا نام ہے..... ہاں یاد آیا ٹی وی، اس میں آیا تھا۔ مجھے خود اکرم نے بتایا اور بھی بہت سی خبریں بتائی ہیں مثلاً وزیر اعظم ہمارے دیہاتوں کا دورہ کریں گی اور ..... بس بس" شیر خان جو یکایک ہی کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا چونک کر بولا "اب تم جاؤ" منو کے جانے کے بعد شیر خان پھر کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا اب اس کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ شہر جائے گا بہت بڑا کھلاڑی بنے گا۔ اب وہ ان معمولی اور کمتر لوگوں کے ساتھ نہیں رہنا چاہتا تھا۔ اسے اپنی منزل شہر میں نظر آ رہی تھی۔ دوسرے دن وہ صبح صبح تیار ہو گیا۔ شیر خان نے ایک ہاتھ میں کپڑوں کی گٹھری پکڑی دوسرے ہاتھ میں ہاکی اور شہر جانے کے لئے بالکل تیار ہو گیا۔ ماں باپ نے بہت روکنا چاہا گاؤں والوں کو پتہ چلا تو انہوں نے بھی روکا مگر شیر خان کسی کی بات سننے کو تیار نہ تھا۔ گاؤں کے بزرگ بابا فضل دین نے اسے سمجھانا چاہا تو شیر خان نے خاصا سخت جواب دے دیا۔ وہ بے چارے عزت کی خاطر چپ ہو رہے اور اسکے بعد کوئی بھی نہ بولا اور شیر خان پکی سڑک کی طرف روانہ ہو گیا۔ تین میل کا یہ سفر اسے پیدل طے کرنا تھا۔ اور پھر آگے سے بس کا سفر بھی کئی گھنٹے کا تھا۔ اس کے شہر پہنچتے پہنچتے دوپہر ہو چکی تھی۔ لوگوں سے پوچھتے پوچھتے شیر خان تھوڑی دیر میں ہی ہاکی اسٹیڈیم پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اسٹیڈیم میں ٹرائلز ہو رہے تھے اس لئے گیٹ پر کھڑا چوکیدار ہر ایک کو اندر نہیں جانے دے رہا تھا۔ اس نے شیر خان کو دروازے پر ہی روک دیا۔ جب شیر خان نے اپنا اندر جانے کا مقصد بتایا تو چوکیدار نے ایک نظر شیر خان کے دیہاتی طرز کے لباس، کپڑوں کی گٹھڑی، کیچڑ میں لتھڑی ہوئی چپل اور پرانی طرز کی ہاکی پر ڈالی اور زور دار قہقہہ لگایا۔ مگر فوراً ہی سنجیدہ ہو گیا اور شیر خان کو سمجھانے لگا کہ "بیٹا تم گاؤں میں ضرور اچھا کھیلتے ہو گے مگر تم نہیں جانتے گاؤں اور

شہر کے کھیل میں بڑا فرق ہے۔ " مگر شیر خان اپنے سپنے اتنی جلدی ٹوٹتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ بدستور اصرار کرتا رہا۔ آخر کار چوکیدار نے اسے اندر جانے کی اجازت دیدی اور اسے بتایا کہ " وہ دیکھو اندر میدان میں کھیل ہو رہا ہے اور باقی لڑکے باہر بیٹھے انتظار کر رہے ہیں جب بھی کوچ کے اشارے پر کوئی کھلاڑی باہر آتا ہے تو دوسرا اندر چلا جاتا ہے۔ تم بھی جاکر بیٹھ جاؤ اور باری آنے پر میدان میں کھیلنے چلے جانا۔ " چوکیدار نے جاکر کوچ سے کچھ کہا۔ کوچ نے شیر خان کو دیکھ کر برا سامنہ بنایا مگر خاموش رہا۔ شیر خان خاموشی سے جاکر باقی لڑکوں کے پیچھے بیٹھ گیا۔ کچھ اسے دیکھ کر مسکرانے لگے اور کچھ نے برے برے منہ بنائے۔ اس نے صرف گاؤں کا خلوص اور پیار ہی دیکھا تھا جس کے مقابلے میں اسے یہ انداز بڑا عجیب سا لگا۔ وہ تھوڑا گھبرا سا گیا اور اسے احساس کمتری ہوا مگر وہ پروا نہ کرتے ہوئے کھیل دیکھنے لگا۔ کھیل بہت تیزی سے ہو رہا تھا۔ ہر کھلاڑی ہی بہت اچھا کھیل رہا تھا۔ شیر خان کو ڈر لگنے لگا تھا۔ حیرت اسے اس وقت محسوس ہوتی جب کوچ اتنا اچھا کھیل ہونے کے باوجود کھیل روک کر کھلاڑیوں کو سمجھاتا اور کئی دفعہ تو بری طرح ڈانٹ بھی دیتا۔ شیر خان کا اپنے کھیل پر اعتماد کم ہونے لگا اور اس موقع پر وہ حوصلہ ہی ہار بیٹھا جب ایک کھلاڑی تمام کھلاڑیوں کو غچہ دے کر ڈی میں پہنچا اور خالی گول میں ہٹ لگائی مگر گیند بالکل گول پول کے پاس سے گزر کر باہر چلی گئی۔ کوچ نے کھلاڑی کو باہر بلا کر ڈانٹا اور اس کی جگہ دوسرے کھلاڑی کو اندر بھیج دیا۔ شیر خان جو گاؤں کے لڑکوں کے ساتھ کھیل کر خود کو اس کھیل کا بے تاج بادشاہ سمجھنے لگا تھا اب اسے احساس ہوا کہ یہ کھیل کتنا مشکل ہے اپنی باری آنے پر وہ ہمت ہار چکا تھا۔ اس کا سپنا ٹوٹ گیا تھا۔ مگر اس نے اسے بکھرنے نہیں دیا تھا۔ وہ آخری موقعہ آزمانا چاہتا تھا کہ شاید کوچ کو اس کا کھیل پسند آجائے۔ مگر اس کا جوش و خروش ختم ہو چکا تھا۔ وہ قدم قدم پر غلطی کرتا اور کوچ جو پہلے ہی اسے ناپسندیدہ انداز سے دیکھ رہا تھا اسے ہر بات پر ڈانٹتا۔ اور پھر اس وقت تو حد ہی ہو گئی جب شیر خان نے گیند کو زور دار ہٹ لگانا چاہی تو ہاکی کا اوپری حصہ اس کے ہاتھوں میں رہ گیا اور نیچے والا اڑتا ہوا دور جا گرا۔ معمولی قیمت کی پرانی ہاکی جو صرف ٹینس کے گیند سے کھیلنے کے کام آتی تھی۔ کاک کے سخت گیند کی زیادہ ضربیں برداشت نہ کر سکی تھی۔ تمام لوگ اسے دیکھ کر مسکرانے لگے تھے۔ کئی ایک نے تو زور دار قہقہے بھی لگائے۔ شیر خان کو یوں لگا جیسے وہ زمین میں گڑ گیا ہو۔ شرمندگی سے اس کا حال برا ہو رہا تھا اور رہی سہی ہمت بھی ختم ہو چکی تھی۔ اس دفعہ کوچ بھی نہایت غصے کی حالت میں اس کی طرف آیا اور اپنا سارے دن کا غصہ شیر خان پر نکال دیا۔ اب مزید یہ سب کچھ برداشت کرنا شیر خان کے بس کی بات نہ تھی۔ اس نے اپنی گٹھری اٹھائی اور اپنی ٹوٹی ہوئی ہاکی اور بے شمار آنسو میدان میں چھوڑ کر بھاگتا ہوا باہر نکل گیا۔

بارش ـــــ چار نظمیں

اچھے ساتھیو! نئے انداز کی ان نظموں پر آپ کی رائے کا انتظار رہے گا (ادارہ)

(۱)

آسمان کا
اُتر گیا منہ
کس نے ڈانٹا؟

(۲)

غُباروں میں
چبھوئی آلپن
یکدم کس نے؟
بارش! بارش!

(۳)

ہلے ہونٹ
آسمان کے
لگا قہقہہ
چمکے دانت
بجلی! بجلی!

(۴)

روتا منّا
کھلکھلا اُٹھا
بکھرے رنگ
ہنسی کے
دھنک! دھنک!

شکیل فاروقی

آؤ بچو علم جمع کریں

دوسرا حصہ

ملاحت کلیم شیروانی

پہلا حصہ آپ فروری ۱۹۹۰ء کے شمارے میں پڑھ چکے ہیں

ہم کیا پڑھیں کیسے پڑھیں؟

میرے پچھلے مضمون سے آپ اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ علم کی دولت جمع کرنے کے بے شمار فائدے ہیں اور بہت سارے طریقے ہیں ذاتی علم بڑھانے کے بھی کئی طریقے ہیں لیکن ان میں دو بنیادی طریقے سب سے زیادہ اہم ہیں نمبر ایک "مطالعہ" اور نمبر دو "مشاہدہ"۔ ہم آغاز "مطالعے" سے کرتے ہیں:

"مطالعہ کرنا"۔ اس کے لفظی معنی جو مختلف لغات میں دیئے گئے ہیں وہ تو ہیں کسی چیز کو جاننے کے لئے دیکھنا "لیکن عام طور پر مطالعہ کرنے" کا مطلب لیا جاتا ہے "پڑھنا" یعنی کتابیں رسالے اخبار وغیرہ پڑھنے کو کہا جاتا ہے مطالعہ کرنا مطالعے کے سلسلے میں ایک ذرا سی غلط فہمی جو ہمارے نو عمر دوستوں میں پائی جاتی ہے اس کا دور ہونا بہت ضروری ہے۔ عام طور پر بچے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اسکول میں جو نصابی کتب پڑھتے ہیں یا گھر آکر اسکول کا کام پورا کرنے کے لئے جو کچھ پڑھتے ہیں وہی "مطالعہ" ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اس طرح پڑھنے کو مطالعہ کرنا نہیں کہا جاسکتا لیکن ہمارے خیال میں صرف نصابی کتب کو پڑھ لینا "مطالعہ" کا مقصد پورا نہیں کرتا۔ خصوصاً بات جب اپنے ہم عمر اور ہم جماعت ساتھیوں کے مقابلے میں اپنی ذاتی دولتِ علم کو بڑھانے کی ہو رہی ہو تو یقیناً اس بات کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے کہ آپ اپنی نصابی

کتب تو پڑھیں ہی اس کے ساتھ دوسری کتابیں" معلومات بہم پہنچانے والی تحریریں بھی پڑھیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ نصابی کتب ایک خاص مقصد کے تحت لکھی جاتی ہیں۔ اور وہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک مخصوص جماعت کے طالب علموں کو امتحان پاس کر کے دوسری جماعت میں جانے کے لئے کچھ منتخب موضوعات پر نصاب مرتب کرنے والوں کے خیال میں جاننا ضروری ہوتا ہے۔ وہ اسے ان کتابوں میں شامل کر دیتے ہیں اور پھر امتحان پاس کرنے کا یا نصاب کو مکمل کرنے کا بھی کیوں کہ ایک وقت مقرر ہوتا ہے اس لئے معلومات بنیادی اور مختصر ہوتی ہیں۔ ان نصابی کتب کی اہمیت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ درجہ بدرجہ ان کو پڑھنے والوں کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور مطالعہ کرنے کے لئے بلکہ "مشاہدہ" کے لئے بھی یہی صلاحیت کام آتی ہے۔ اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ "نصابی کتب" کا پڑھنا ہی مطالعہ کرنا نہیں ہوتا بلکہ انہیں پڑھنے سے جو صلاحیت پیدا ہوتی ہے اس کی مدد سے "غیر نصابی" کتب پڑھنے ہی کو مطالعہ کرنا کہتے ہیں۔

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ کون سی کتابیں یا تحریریں ہیں جو آپ کو پڑھنی چاہئیں..... یہ بات سمجھنا اس لئے ضروری ہے کہ اکثر بچے جنہیں پڑھنے کا بہت شوق ہوتا ہے وہ ہر چیز جو ان کے ہاتھ آئے اس کو پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ پڑھنے کا یہ شوق یقیناً بہت اچھی بات ہے لیکن آپ کو یہ بات بہت اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ "ہر تحریر ہر ایک کے پڑھنے کے لئے نہیں ہوتی" جس طرح بچوں اور بڑوں کی غذا میں فرق ہوتا ہے ان کے لباس میں فرق ہوتا ہے اور ان کے روز مرّہ کے کاموں اور ذمہ داریوں میں فرق ہوتا ہے اسی طرح کتابوں، رسالوں وغیرہ میں بھی فرق ہوتا ہے۔

اب سے کچھ سال پہلے تک تو آپ کی عمر کے بچوں کے لئے واقعی بڑی مشکل تھی کہ وہ کیا پڑھیں کیوں کہ خاص طور پر بچوں کے لئے لکھا جانے والا ادب پاکستان میں بہت کم تھا لیکن اب ایسا نہیں ہے اور مختلف قسم کا بہت سارا ادب خاص طور پر بچوں کے لئے ہی شائع ہو رہا ہے۔ جس میں کہانیوں کی کتابیں، ناول، قومی اور بین الاقوامی مشہور شخصیات کے حالات زندگی، عام معلومات کی کتابیں اور اس کے علاوہ بہت سارے بچوں کے رسالے۔ اخبارات میں بچوں کے لئے مخصوص صفحات، کئی ایسے رسالے بھی ہیں جو ہیں تو بڑوں کے لئے لیکن ان میں بھی کم از کم دو صفحات بچوں کے لئے ہوتے ہیں۔ یعنی آپ کو اپنی مرضی اور پسند کے مطابق پڑھنے کے لئے بہت کچھ مل سکتا ہے۔ جو خاص طور پر آپ کے لئے ہی لکھا گیا ہو۔ ایک مشورہ ہم آپ کو ضرور دیں گے وہ یہ کہ آپ اپنی پسند اور دلچسپی کے مطابق ضرور کتابوں اور رسالوں کا انتخاب کریں لیکن اپنے مطالعے کو صرف اپنی اس پسند تک محدود نہ کریں بلکہ کبھی کبھی دوسرے موضوعات پر بھی چاہے آپ کو ان سے زیادہ دلچسپی ہو یا نہ ہو کچھ نہ کچھ ضرور پڑھا کریں۔ اس طرح آپ کا علم اور آپ کی معلومات محدود نہیں رہیں گی بلکہ آپ کو بہت ساری چیزوں کے بارے میں کچھ نہ

کچھ معلومات حاصل ہوجائیں گی اس طرح ایک تو بہت بڑا فائدہ آپ کو حاصل ہوگا کہ آپ اپنے تمام دوستوں سے ان کی دلچسپی کے موضوعات پر بات کر سکیں گے اس طرح وہ آپ کو اور بھی پسند کرنے لگیں گے دوسرے صرف اپنی پسند کی چیز پڑھنے کا ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ اگر آپ کو اپنی پسند کی کتاب نہ ملے تو آپ پڑھیں گے نہیں ہوسکتا ہے کہ آپ کی مطالعے کی عادت ختم ہوجائے اور جو وقت آپ مطالعے جیسے کار آمد مشغلے میں لگاتے تھے اس کو ادھر ادھر کی بیکار باتوں میں ضائع کرنے لگیں اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اپنے علم اور معلومات میں اپنے ہم عمر دوستوں سے پیچھے رہ جائیں۔

مطالعے کا ایک اہم فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ آپ خواہ اپنی دلچسپی کے موضوعات پر پڑھیں یا دوسری کتابیں پڑھیں آپ کو انہیں پڑھنے میں مزا آئے یا نہ آئے لیکن آپ کے "ذخیرہ الفاظ" میں ضرور اضافہ ہوتا ہے یعنی بہت سارے نئے الفاظ ہر دفعہ کسی تحریر کے پڑھتے وقت آپ کے علم میں آتے ہیں۔ بہت سارے الفاظ جو آپ پہلے سے جانتے تھے ان کے نئے معنی اور نئے استعمال آپ سیکھتے ہیں۔ اس طرح آپ کی گفتگو میں زیادہ روانی آتی ہے۔ آپ کو مضمون لکھنا ہو یا امتحان میں سوالات کے جوابات دینے ہوں آپ کو اپنا مفہوم ادا کرنے میں آسانی رہتی ہے کیوں کہ جتنے زیادہ الفاظ ہم جانتے ہیں اتنی ہی آسانی سے اپنی بات کو واضح طور پر بیان کر سکتے ہیں۔

مختلف موضوعات پر جو کتابیں آپ کو ضرور پڑھنی چاہئیں ان میں ایسی کتابیں شامل ہیں جو مختلف شخصیات کے حالات زندگی کے بارے میں ہوں (ایسی کتابوں کو سوانح عمری کہتے ہیں) سب سے زیادہ اہم اور ضروری تو ہمارے پیارے نبیؐ کی حیاتِ پاک کے بارے میں کتابیں ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہمارے پیارے رسولؐ کی زندگی مکمل طور پر قرآن اور اسلامی تعلیمات کا نمونہ تھی۔ آپؐ کے بارے میں کتابیں (جنہیں سیرت پاکؐ کی کتابیں کہا جاتا ہے) پڑھنے سے آپ کو پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ کس طرح لوگوں سے پیش آتے تھے آپؐ کے روز مرہ کے معمولات کیا تھے آپؐ کس طرح عبادت کرتے تھے کھانے پینے کے آپؐ نے کیا طریقے بتائے ہیں اس طرح آپ کے لئے سنت رسولؐ پر عمل کرنا آسان ہوجائے گا۔

پھر ہمارے مذہب اور تاریخ کے حوالے سے بہت ساری شخصیات ہیں جن کی زندگی کے حالات پڑھنے سے آپ کو نہ صرف ان کے بارے میں بلکہ ان کے زمانے کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہوں گی۔ یعنی ایک شخصیت کے بارے میں پڑھنے سے آپ کو اس کے وطن اور اس کے دور میں وہاں کے حالات، رسم و رواج سے بھی واقفیت حاصل ہوگی۔ نامور شخصیات کے بارے میں پڑھنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ آپ کو پتہ چلے گا کہ انسان کس طرح کی زندگی گزار کے اور کس طرح کے کام کر کے اتنا بڑا آدمی بنتا ہے کہ لوگ اس کی موت کے بعد بھی اس کو یاد رکھتے ہیں۔

ایسی تحریریں بھی آپ کو ضرور پڑھنا چاہئیں جن میں دوسرے ممالک میں رہنے والوں کے بارے

میں معلومات ہوں۔ وہاں کی زبان رسم و رواج ثقافت وغیرہ۔ خاص طور پر آپ کی عمر کے بچوں کے کھیل دلچسپیاں اور مشغلے وغیرہ اس طرح گھر بیٹھے دنیا بھر کی سیر ہوتی ہے۔ اور پھر کبھی کسی ملک میں جانے کا اتفاق ہو تو اجنبیت محسوس نہیں ہوتی یا اگر کسی دوسرے ملک کے کسی بچے سے آپ کی ملاقات ہو جائے تو آپ اس کو اس کے ملک کے بارے میں اپنی معلومات بتا کر حیران اور خوش کر سکتے ہیں۔ یا آپ کی پسند کے کسی ناول یا کہانی کسی خاص ملک کا کوئی کردار ہوتا ہے آپ اس کو بھی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔

عام معلومات کی ایسی کتابیں جن میں کسی خاص موضوع پر نہیں بلکہ مختلف موضوعات پر بہت بنیادی معلومات ہوتی ہیں۔ ان میں بھی آپ کو ضرور دلچسپی لینی چاہئے۔ جیسے انسائیکلوپیڈیا وغیرہ' پریشان نہ ہوئیے' ہم آپ کو بہت بڑا انسائیکلوپیڈیا پڑھنے کے لئے نہیں کہہ رہے بلکہ بچوں کے لئے جو اس طرح کی کتابیں شائع ہوئی ہیں ان کی بات کر رہے ہیں۔ یہ کتابیں مستقل پڑھنے کے لئے ہوتی ہیں لیکن ان کے بارے میں آپ کو کم از کم یہ ضرور معلوم ہونا چاہئے کہ آپ کے اسکول کے کتب خانے میں یا آپ کے گھر کے پاس اگر کوئی کتب خانہ ہے تو اس میں اس طرح کی کون سی کتابیں موجود ہیں۔ ان کتابوں کو (حوالہ جاتی کتب) کہا جاتا ہے کیونکہ جیسا کہ پہلے ہم نے آپ کو بتایا کہ یہ باقاعدہ مطالعے کے لئے نہیں ہوتیں بلکہ ان میں مختصراً دنیا بھر کی معلومات جن میں مختلف ممالک کے بارے میں، ایجادات کے بارے میں، مشہور شخصیات کے بارے میں، اہم واقعات کے بارے میں بنیادی اور مختصر معلومات جمع کی جاتی ہیں اگر آپ کو کوئی معمہ (پزل) حل کرنا ہو یا کسی ذہنی آزمائش (کوئز) کے مقابلے میں حصہ لینا ہو تو آپ ان کتابوں سے معلومات حاصل کر سکتے ہیں بالکل اسی طرح جیسے کسی مشکل لفظ کے معنی دیکھنے کے لئے آپ لغت یا ڈکشنری استعمال کرتے ہیں۔

اچھا بھئی اب یہ بات بھی طے کر لینی چاہئے کہ آپ کو مطالعہ کس وقت کرنا چاہئے کیونکہ ہم اس بات کے بالکل قائل نہیں ہیں کہ بچے غیر نصابی کتب کے مطالعے کے چکر میں اپنا نصاب پڑھنا چھوڑ دیں یا اس پر کم توجہ دیں یا پھر اپنا کھیل کا وقت بھی مطالعے کے لئے مخصوص کر دیں۔ کیونکہ ہم نے شروع میں آپ کو بتایا تھا کہ نصابی کتب کو پڑھے بغیر آپ میں مطالعے کی صحیح صلاحیت پیدا نہیں ہو سکتی پھر آپ کو امتحان بھی پاس کرنا ہوتا ہے۔ اپنے ہم جماعت بھائیوں کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنا ہوتا ہے اس لئے نصابی کتب کو تو نظر انداز کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اسی طرح کھیل کے لئے کچھ وقت نکالنا ضروری ہوتا ہے کیونکہ چست اور مستعد رہنے کے لئے اور جسمانی صحت کے ٹھیک رکھنے کے لئے کھیل بہت ضروری ہے کیونکہ ذہنی صلاحیتیں بھی اچھی جسمانی صحت کی وجہ سے زیادہ نکھرتی ہیں اور نصابی یا غیر نصابی کتب پڑھنے اور تعلیم حاصل کرنے کیلئے اچھی ذہنی صلاحیتوں کا ہونا بہت ضروری ہے۔ تو پھر یہ طے پایا کہ اسکول سے آنے کے بعد، اسکول کا ہوم ورک کرنے کے بعد اور شام کو کچھ وقت کھیل کے لئے نکالنے کے بعد جو وقت

آپ کو ملتا ہے آپ اس میں مطالعہ کر سکتے ہیں۔ جب اسکول کھلے ہوتے ہیں تو یقیناً یہ وقت کم ہوتا ہے لیکن چھٹیوں میں آپ زیادہ وقت مطالعے کو دے سکتے ہیں۔

اب دیکھیں روز مرّہ کے ان کاموں کے دوران آپ کس وقت مطالعہ کر سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ دوپہر کو اسکول سے آکر جب آپ نماز پڑھ کے کھانا وغیرہ کھا کے تھوڑی دیر آرام کرتے ہیں اس وقت اپنی پسند کی کتاب یا رسالے کا مطالعہ آپ کو تازہ دم کر سکتا ہے۔ یا پھر رات کو جب سب کام ختم کر کے آپ سونے کے لئے لیٹیں تو اس وقت بھی مطالعہ کر سکتے ہیں بلکہ سونے سے پہلے اگر آپ روزانہ زیادہ نہیں تو ۴ پانچ صفحے پڑھنے کی عادت ڈال لیں تو اچھا ہے کیونکہ اس وقت آپ بالکل سکون سے پڑھ سکتے ہیں۔

اب آخر میں دو تین باتیں یہ بھی کر لی جائیں کہ آپ کو پڑھنا کس طرح چاہئے۔ بہت سارے بچے پڑھتے وقت اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ کتاب کس طرح پکڑی جائے اور صفحہ کس طرح پلٹا جائے۔ اس طرح کتاب جلدی خراب ہو جاتی ہے ان کے صفحات پھٹ جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جلد والی کتاب کو کبھی موڑ کر ایسے نہیں پکڑنا چاہئے جیسے آپ رسالے کو پکڑ لیتے ہیں کیونکہ اس طرح جلد کی سلائی نکل جاتی ہے۔ ویسے رسالے کو بھی بالکل موڑ کے پکڑنا غلط ہے ہمیشہ پوری کھلی ہوئی کتاب دونوں ہاتھوں سے پکڑیں۔ جب صفحہ پلٹنا ہو تو ایک دم زور سے نہیں بلکہ آہستہ سے صفحے کے اوپر والا کنارہ یا نیچے والا کنارہ پکڑ کر اٹھائیں اور پلٹیں۔ اگر پڑھتے پڑھتے کسی کام سے اٹھیں تو یہ حرکت کبھی نہ کریں کہ جو صفحہ پڑھ رہے ہیں اس کا کنارہ موڑ دیں تاکہ نشانی رہے۔ بلکہ اس مقصد کے لئے آپ گھر میں جو دعوت نامے آتے ہیں ان میں سے ایک ٹکڑا خوبصورتی سے کاٹ لیں اور اس کو نشانی کے لئے استعمال کریں۔ کتاب یا رسالہ جب ہاتھوں میں لیں تو اپنے ہاتھ دھو کر صاف کریں تاکہ آپ کے ہاتھوں سے کتاب گندی نہ ہو۔ کیونکہ کتاب یا رسالے وغیرہ کے صفحات پر بہت جلدی نشان پڑ جاتے ہیں اور پھر کتاب بُری لگنے لگتی ہے۔ رات کو پڑھتے وقت خاص طور پر اس بات کا خیال رکھیں کہ آپ کی آنکھوں پر زور نہ پڑے اس طرح نظر کمزور ہو جاتی ہے۔ اس کے لئے ہمیشہ مناسب روشنی میں اس طرح کتاب لے کر بیٹھیں کہ روشنی کتاب کی تحریر کو واضح کرے، اس پر کسی طرح کا سایہ بھی نہ آئے۔ بالکل سیدھا لیٹ کر پڑھنا بھی غلط ہے بہتر ہو گا کہ آپ اپنے بستر کے سرہانے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو جائیں اور آرام سے پڑھیں۔ کتاب یا رسالہ پڑھنے کے بعد اس کو صحیح جگہ سنبھال کر رکھیں یہ نہیں کہ ادھر ادھر ڈال دیں اور وہ گم ہو جائے یا گھر میں کوئی چھوٹا بچہ اس کو پھاڑ ڈالے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھئے کہ ایک دفعہ اگر کوئی کتاب یا رسالہ پڑھ لیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب وہ بیکار ہو گیا۔ بلکہ اس کو تو آپ اور بھی زیادہ سنبھال کر رکھیں کہ "علم جمع کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی تو ہے۔"

بخیل کہیں کا

محمد سلیم مغل

نام تو اس کا "عقیل" تھا مگر نہ جانے کیوں اسکول کے شرارتی لڑکوں نے اسے "بخیل" کے نام سے مشہور کر دیا تھا۔ حالانکہ وہ ایسا بخیل بھی نہ تھا۔ یہ ضرور تھا کہ اسے کبھی کسی نے فضول خرچی کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا یا یہ کہ وہ کسی حد تک کفایت شعار تھا مگر ایسے اسکول میں جہاں سبھی رئیس زادے پڑھتے ہوں اور جس ماحول میں ہر بچے کو جیب خرچ کے لئے والدین کی طرف سے منہ مانگی رقم دی جاتی ہو وہاں پر کفایت شعار بچہ بخیل نہیں تو اور پھر کیا سمجھا جائے گا۔

اُس روز بھی کلاس روم میں حاضری لیتے ہوئے مس مریم نے عقیل کا نام پکارا تو پیچھے سے کسی شرارتی لڑکے نے فوراً لقمہ دیا..... "عقیل عرف بخیل"

پوری کلاس قہقہے لگانے لگی اور عقیل بے چارہ روہانسا ہو کر رہ گیا۔ یہ پہلا موقع نہیں تھا، اس سے قبل بھی کئی بار ایسا ہو چکا تھا..... لڑکوں کی ایک ٹولی نے تو باقاعدہ ایک گانا بھی تخلیق کر لیا تھا۔ یہ ٹولی عقیل کو دیکھتے ہی لہک لہک کر گانا شروع کر دیتی۔

بخیل کہیں کے..... بخیل کہیں کے

کبھی کبھار تو وہ بہت زیادہ دل برداشتہ ہو جاتا اپنے ساتھیوں کے اس رویئے سے اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے اور بسا اوقات تو اسے لمبی چپ لگ جاتی مگر کلاس فیلوز کے رویہ میں کبھی کوئی تبدیلی نہ آتی۔

ایک روز مس میمونہ کو لائبریری میں اکیلا دیکھا تو موقعہ غنیمت جان کر عقیل ان کے پاس جا بیٹھا اور پھر ان سے اپنی پریشانی کا ذکر کر دیا۔ پورے اسکول میں مس میمونہ ہی تو تھیں جو اس کا بہت زیادہ خیال بھی رکھتی تھیں اور اس کا دل بھی بڑھاتی رہتیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی ہر پریشانی کا ذکر بلا جھجک مس میمونہ سے کر دیا کرتا تھا۔

مس میمونہ نے پوری توجہ اور بڑے انہماک سے عقیل کی باتوں کو سنا اور پھر پوچھا کہ "تمہارے خیال میں وہ کون سا عمل ہے جس کے کرنے سے تمہارے کلاس فیلوز تمہیں ستانا چھوڑ دیں گے" "ایک ہی عمل ہے مس۔" عقیل نے جواب دیا..... "اور وہ ہے فضول خرچی "میں اگر ہاف ٹائم میں دو دو بوتلیں کوک کی پیوں، سڑک پر سرعام بکنے والی گندی چیزیں خود بھی کھاؤں اور انہیں بھی کھلاؤں..... ویڈیو گیمز پر پیسے خرچ کروں تو کسی کو مجھ سے شکایت نہیں رہے گی اور سب ہی مجھ سے خوش رہیں گے"

مس میمونہ بہت سی باتیں سن چکیں تو انہوں نے عقیل کو سمجھایا کہ تم دل برداشتہ نہ ہوا کرو اور سب کی سنی ان سنی کر دیا کرو..... تمہارے اطمینان کے لئے یہ بات کافی نہیں کہ ہم سب ٹیچرز اور خود تمہارے امی ابو تم سے کس قدر خوش ہیں؟

مس میمونہ اُسے بہت دیر تک سمجھاتی رہیں یہاں تک کہ اس کے ذہن پر چھایا ہوا غبار بالکل صاف ہو گیا اور وہ شرارتی لڑکوں کے ہر عمل سے بے پرواہ ہونے اور اپنے اچھے کاموں پر خوش رہنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

عقیل کے ابّا مسٹر جبران ایک کامیاب گارمنٹ فیکٹری کے مالک تھے۔ ان کے پاس کار، کوٹھی، نوکر چاکر اور مال و دولت کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ نہ ہی انہوں نے کبھی عقیل کو کسی کمی کا احساس ہونے دیا تھا مگر یہ تو عقیل کی سمجھ دار امّی تھیں جنہوں نے عقیل کی تربیت ہی اس طرح کی تھی کہ وہ پیسے کی فراوانی کے باعث کہیں بگاڑ کے راستے پر نہ چل نکلے۔ وہ عقیل کی ہر جائز فرمائش کو پورا کرتیں بلکہ اس کی ضرورتوں کا خیال اس طرح رکھتیں کہ اسے کہنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ اسی طرح وہ عقیل کی بے جا فرمائش یا ضد پر اسے اس

طرح سمجھادیا کرتیں کہ بات اس کی سمجھ میں آجاتی اور وہ اچھے بچّوں کی طرح پھر کبھی ضد نہ کرتا۔

عقیل خیر سے اب ۱۳ سال کا ہوچکا تھا اور شہر کے سب سے اچھے اسکول کی ساتویں جماعت میں پڑھ رہا تھا..... وہ اچھا طالب علم تھا اسی لئے ہر سال اچھے نمبروں سے پاس ہوتا۔ اسکول کے دوسرے پروگرامز میں بھی شریک ہوتا اور نمایاں کامیابیاں حاصل کرتا مگر ان ساری خوبیوں کے باوجود "بخیل" کا لیبل اس کے نام کے ساتھ اس طرح چپک گیا تھا کہ کم از کم اسکول لائف کے آئندہ تین چار سالوں میں اس کے ختم ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

ایک روز عقیل نے امی سے کہا.....

"امی جان! کیا یہ ممکن ہے کہ میں کسی ایسے اسکول میں داخلہ لے لوں جہاں یہ والے بچے نہ ہوں اور مجھے کوئی تنگ نہ کرے؟ امی نے پلٹ کر عقیل کو دیکھا اور دیکھتی ہی رہیں زبان سے کچھ نہ بولیں ان کی آنکھوں میں نہ غصہ تھا اور نہ ہی کوئی ایسی بات جسے محسوس کر کے عقیل پریشان ہوجاتا..... پھر امی نے ایک ہی جملے میں حکم سنا دیا.....

"تم اسی اسکول میں پڑھو گے اور انہی لڑکوں کو (FACE) کرو گے..... یاد رکھو یہاں سے بھاگ نکلے تو کہیں بھی نہیں ٹھہر سکو گے"۔.....

امی کے منہ سے نکلا ہوا یہ جملہ شاید اس کی عمر سے بڑا تھا مگر امی کے لہجے نے اسے وہ بات سمجھادی تھی جو وہ کہنا چاہ رہی تھیں.....

امی کی اس بات سے مایوس ہونے کے بجائے وہ اور پُر عزم ہوگیا..... واقعی سمجھدار مائیں اپنے بچوں کو کبھی ٹوٹنے نہیں دیتیں بلکہ انہیں زندگی کے بڑے مسائل سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ عطا کرتی رہتی ہیں۔ مسز جبران بھی انہی ماؤں میں سے ایک تھیں۔

اسکول کے ایک فری پیریڈ میں، عقیل کی ڈیسک کے برابر بیٹھا ہوا شرجیل عرف شجو اٹھا اور چاک کا ٹکڑا لے کر بلیک بورڈ پر بڑا بڑا (A) لکھنے لگا۔ (A) لکھ کر شجو نے پوری کلاس کو مخاطب کر کے پوچھا..... دوستو بتاؤ اے فار..... ؟ جواب میں بہت سے لڑکے چلّائے "ایپل"۔ پھر اس نے (B) لکھا اور پوچھا۔ بی فار..... اس بار سب کا جواب تھا "بی فار بخیل"..... پوری کلاس قہقہوں میں ڈوب گئی عقیل کے چہرے پر جھلاہٹ اور پریشانی کا ایک تاثر ابھرا مگر پھر اگلے ہی لمحے وہ مطمئن ہوگیا..... اسے ماں کی کہی ہوئی بات یاد آگئی۔

"تم اسی اسکول میں رہو گے اور انہی بچوں کو (FACE) کرو گے" شرارتی لڑکوں کو (FACE) کرنا اب اس کی عادت بن گیا تھا بلکہ اب تو وہ ایسے لڑکوں کو لفٹ بھی نہیں کرواتا تھا۔ عقیل میں گویہ مثبت تبدیلی آچکی تھی مگر اس تبدیلی سے شرارتی لڑکوں کا گروہ بُری طرح بھنّایا ہوا تھا اور اب تو وہ سب عقیل کے

پہلے سے بھی زیادہ پکّے دشمن بن چکے تھے۔

اسمبلی میں اسکول کی ہیڈ مسٹریس نے اعلان کیا کہ آج ہمارے ڈائریکٹر ایجوکشن صاحب اسکول کے دورے پر آئے ہوئے ہیں وہ آپ سے کچھ گفتگو کریں گے۔ سب بچے غور سے ان کی باتوں کو سنیں۔

ڈائریکٹر صاحب دو قدم آگے آئے اور بلند آواز سے اپنی تقریر شروع کی۔ ان کا موضوع تھا "کشمیر"۔ کشمیر کی مختصر تاریخ اور جغرافیہ سمجھانے کے بعد ڈائریکٹر صاحب نے سب بچوں کو بتایا کہ کس طرح کشمیر پاکستان کا حصہ بن چکا تھا مگر غاصب ہندوستان نے کشمیر پر زبردستی قبضہ کر لیا اور مسلمانوں پر کیسے کیسے ظلم کئے پھر انہوں نے بتایا کہ آج کل کشمیر کے مسلمان آزادی کی جدوجد کر رہے ہیں اور بے دریغ قربانیاں دے رہے ہیں ایسے میں یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم دل و جان سے ان کی مدد کریں ..... ڈائریکٹر صاحب نے سب بچوں سے کہا کہ وہ اپنے جیب خرچ سے کچھ نہ کچھ رقم بچائیں اس طرح تھوڑے تھوڑے پیسے مل کر بڑی رقم جمع ہو جائے گی۔ اس تقریر کے بعد اسمبلی برخواست ہو گئی اساتذہ اور بچے سب اپنی اپنی کلاسوں میں چلے گئے۔

دو روز بعد ہیڈ مسٹریس نے اسمبلی میں پھر اعلان کیا کہ کشمیر فنڈ کے لئے اب تک اتنی معمولی رقم جمع ہوئی ہے کہ ہم اس کا اعلان کرتے ہوئے بھی شرمندگی محسوس کر رہے ہیں حیرت یہ ہے کہ ہمارے قریب کی کچی بستی کے معمولی اسکول میں پڑھنے والے غریب بچوں نے مل جل کر سات ہزار روپے جمع کر لئے ہیں لیکن ہم لوگ ابھی تک دو ہزار روپے بھی جمع نہیں کر سکے ہیں۔

کیا یہ آپ لوگوں کا فرض نہیں ہے کہ آپ کشمیر میں بسنے والے مسلمان بھائیوں کی مدد کریں اور اپنے اسکول کی عزت بھی بڑھائیں۔ ہیڈ مسٹریس مسز کامران حلق پھاڑ پھاڑ کر تقریر کرتی رہیں اور بچوں کو سمجھاتی رہیں۔ انہوں نے بچوں کو دو روز مزید دیئے تاکہ مزید فنڈز جمع کئے جا سکیں۔

..... اگلے ہی روز اسکول کا ہدف آٹھ ہزار روپے پورا ہو چکا تھا آٹھ ہزار روپے کی رقم تو پوری ہو چکی تھی مگر ایک عجیب واقعہ یہ ہوا کہ ایک ایسا بچہ جس نے آٹھ میں سے پانچ ہزار روپے کا عطیہ اپنی جیب سے دیا تھا، اس پر چوری کا الزام لگ چکا تھا۔ چوری کے حوالے سے عقیل کا نام سن کر سب ٹیچرز کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا..... عقیل کبھی چوری نہیں کر سکتا۔ مس میمونہ ہیڈ مسٹریس کو یقین دلا رہی تھیں مگر عقیل کی دشمن ٹولی کا اصرار تھا کہ جو لڑکا ایک دمڑی نہ خرچ کر سکتا ہو وہ پانچ ہزار روپے کہاں سے لائے گا؟

تو پھر یہ پانچ ہزار روپے کہاں سے آئے؟ اس معمے کو حل کرنے کے لئے عقیل کے ابو اور امی دونوں کو فون کئے گئے مگر دونوں نے پانچ ہزار روپے سے لاعلمی کا اظہار کیا.....

چھوٹے سے بچے کے ہاتھ میں پانچ ہزار روپے جس کا علم امی اور ابو کو بھی نہ ہو..... آخر کیسے ممکن

ہے ؟

شک یقین میں بدلنے لگا..... اور اسکول میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں..... جو آج تک صرف بخیل سمجھا جاتا تھا کیا اب وہ چور بھی کہلائے گا..... ؟

عقیل کو ہیڈ مسٹریس نے آفس میں بلوایا..... اور پانچ ہزار روپے کی بابت پوچھا..... عقیل کا ایک ہی جواب تھا کہ یہ پیسے اسی کے ہیں اور اس نے چوری نہیں کئے..... مگر اس کی یہ بات کس طرح مان لی جاتی۔

عقیل سے حسد کرنے والے اور اسے بخیل کہنے والے سبھی لڑکے بہت خوش تھے جیسے انہوں نے کوئی بہت بڑا معرکہ سر کر لیا ہو۔ شریر شجو نے کرکٹ کے کھلاڑیوں کے طرح اچھل کر نومی کے ہاتھوں پر ہاتھ مارے اور پھر خوش ہوتے ہوئے کہا..... "دیکھا کیسا نیچا دکھایا اس بخیل کے بچے کو....."

تھوڑی ہی دیر بعد ایک سفید کار اسکول کے باہر آکر رکی ایک اور خاتون تیز قدموں کے ساتھ ہیڈ مسٹریس کے کمرے کی طرف بڑھیں..... یہ خاتون عقیل کی امی تھیں..... آفس میں ہیڈ مسٹریس کے علاوہ اسٹاف کے دوسرے بہت سے لوگ موجود تھے..... شجو اینڈ پارٹی کے چار ارکان بھی آفس میں موجود تھے اور عقیل کو چور ثابت کرنے کے لئے اپنے دلائل دے رہے تھے.....

یکایک مسز جبران آفس میں داخل ہوئیں..... "السلام علیکم..... معاف کیجئے گا میڈم مجھے خیال نہیں رہا تھا..... وہ رقم عقیل ہی کی تھی..... وہ پانچ ہزار روپے اس نے گذشتہ دو سالوں میں جمع کئے ہیں۔ وہ..... دراصل....." مسز جبران بہت جلدی جلدی بول رہی تھیں جیسے انہیں موقعہ کی نزاکت کا احساس ہو گیا ہو وہ جلدی سے عقیل کی صفائی پیش کرنا چاہتی تھیں تاکہ کوئی اسے غلط نہ سمجھ لے..... وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لئے رکیں اور پھر سے کہنے لگیں..... "میں عقیل کو ہر روز دس روپے جیب خرچ کے لئے دیتی ہوں مگر یہ تین چار روپے سے زیادہ خرچ نہیں کرتا..... بچ جانے والے پیسے یہ اپنے پاس ہی رکھ لیتا تھا اور اکثر کہتا تھا کہ میں یہ پیسے کسی بڑے مقصد کے لئے خرچ کروں گا..... مجھے بعد میں یاد آیا کہ یہ پانچ ہزار روپے یقیناً وہی ہوں گے....." عقیل کی امی جب کافی کچھ کہہ چکیں تو ہیڈ مسٹریس نے عقیل کو بلا کر پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا سب ٹیچرز نے اُسے رشک سے دیکھا اور مس میمونہ نے اس کی پیٹھ تھپتھپا کر اسے شاباش دی۔

اگلے روز اسمبلی میں جب عقیل کی تعریف و توصیف بیان کرتے ہوئے ہیڈ مسٹریس کی زبان نہیں تھک رہی تھی تب اسکول کے سبھی بچے عقیل کی جانب رشک بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ عقیل کی نظریں جھکی ہوئی تھیں اور آج اس کا رواں رواں خوش تھا.....

شجو گروپ کے سب لڑکے آج اسکول سے غیر حاضر تھے۔

بلوچی منتخب تحریر

دُر محمد بلوچ گلشن اقبال کراچی

منا مَرو چگیں دِیوانَ ھرچ موضوعِ دُیگ بوتگ آ ھِشتیں کہ "قوم مذہب ءَ پچے بیتیں ھَگہ مذھَب نبی تو شُما ہم نیستے" ایش یک راستیں گپ ءِ کہ ھرچ قومیئے وَتی خاہیں مذہب بیاں۔ آواں نی سَرءَ۔ آ۔ عمَل کَنتیں۔ وتی۔ مذہب گُوشتگیں رَایادواں۔ ھر قومیاوتی مذہب وستیں۔ وُ۔ آ۔ قوم لوُٹیت آواں نی مذہب آچ دَرستاں دِیمابِی ھمے پیا مسلمان قوم بُرِّصغیر تو کاہندوانی و انگریزانی دُونیمگی غلامی ءِ شِکار بُوتگ۔ مسلمانان ھمے گُوشت کہ آواں نی مذہب اُچ ہندوانی مذہب ءَ مُختلفیں وَ بر صغیرُ توُک ءَ دو مَزنیں قوم مسلمان ءُ ھِندو زندو کان و ھردُویں قومانی زند پارگ ءَ مزنیں تضاد ءَ ھستیں۔ ہمیشک ءَ قائد اعظم ءَ گُوشت۔ مسلمانان ءَ وتی جدائیں وَتن ءِ دُیگ بی۔ ھُودا۔ آ۔ وتی مَذھب ءِ مطابق زِندگی بگُوازیناں۔

قائدِ اعظم ءَ زانتا کہ ھِندو انگریزانی گُوناھُور بیاں وَ مسلمانانی مذہب ءَ ھلاس کناں۔ وَھماوادے تک مسلمان ھِندو۔ وُ۔ انگریزانی دَست ءِ چیرا بیاں اِسلام دیما شُت نہ کنت۔ ہمیشک ءَ ھَگہ مسلمانان ءَ وَتی جدائیں مُلک ءِ نہ گِرت نداتو دُروستیں مسلمان قوم ءِ نقصانیں۔ وُ۔ ھَگہ مسلمانان وَتی مُلک رگیر کپت تو مُسلمان قومے فائدا ھینت۔ علامہ اقبال ایش گپ ءَ چُوش گُوشیت۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک

هرچ قومیانذہب بَنی آواں نی ہِچ نظریہ ہم بنیتیس پمیشکا ۔ آ۔ قوم ہِچ وڑا مُچ بیت نہ کنت ۔ وَ دِیمارَپت نہ کاں ۔ و۔ نامداریں قوم ءِ بُوت نہ کاں۔

اِیدھ دُنیائے تُوک ءَ ہرپِر کاھے پجّاَ د آواں نی مذہب ءَ چے کنگّ بیت بلے مَروچاں مسلمان مُلکاں اَچ اِسلام ءَ دُور تَچگیاں پمِشک ءَ آوانی یمرئَ دازگ بُوتگ ۔ وَ ۔ دِیم پہ تباھی وَ بُرباویا کتگ۔

علامہ اقبال شرگوشیت

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا نے زمین پہ آسمان سے ہم کو دے مارا

ھرَچ قومے وتی مذہب ءَ ھلس اں ۔ آ۔ آقومے سرءَ گِرانی کپَی ۔ وَ۔ دِ گاقوم آواں نی سرءَ ظلم کنگ شروع کناں۔

ھَنچو کے فلسطین ءَ یہودی و افغانستان ءَ شورِویان ءَ ظلم کُتگ۔

پسییر ءَ ھگہ مَسیت ءِ گُورا کسی ءَ ڈھول جَتاتو ھندو مسلمان کشکا بُوتگاں۔ بلے مَروچاں مے وتی مُلکاں بانگے توار ساز ءِ توارے چِرا گاریں۔

علامہ اقبال مسلمانانی ھے حال سرء شریں شعرء گوشتگ

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

مَروچی ملا لوُڈیت مَاوتی مذہب ءَ دُوست بِداریں وَ شہادت ءِ کُرقانی ءِ ھرچ لوُٹے ھلاس بُوگیس آھی یاپدا پیدا بِکنیں وَوتی ل ءِ جو ھلا نکیاں چے وتی قوم ءِ دیمری ءَ دُعا بلوٹین

مِنت واراں

سندھی منتخب تحریر

عنایت اللہ خان اعوان

قوم مذهب سان آهي مذهب نه آهي ته توَن نه آهين

هي حقيقت آهي ته قوم مذهب سان آهي ءِ جيڪڏهن مذهب نه آهي ته اها قوم به نه آهي ۔ هر قوم جي سڃاڻپ جو ذريعو سندس مذهب ئي آهي، مذهب ئي اُها شيءِ آهي جيڪا ڪنهن قوم کي ٻئي قوم کان ڌار ڪري ٿي پوءِ اهو مذهب تو ڀلي اسلام هجي يا عيسائيت يا يهوديت يا ٻيو ڪوئي مذهب

مذهب اهڙي شيءِ آهي جيڪا ڪنهن قوم جي ختم ٿي وڃڻ کان پوءِ به ان کي تاريخ جي صفحن تي هميشه هميشه لاءِ محفوظ ڪري ٿو ۽ ان جي ثقافت، سياست ۽ تمدن وغيره کي دائمي زندگي بخشي هميشه هميشه لاءِ آئنده جي نسلن لاءِ گهرن ۽ چٽن لفظن ۾ محفوظ ڪري ڇڏيو آهي.

تاريخ شاهد آهي ته ڪا به بي مذهب قوم دنيا جي تاريخ ۾ پنهجا پير ڄمائي نه سگهي آهي ۽ اهي وقت جي ثقافت سان گڏ نه هلي سگهيا - تاريخ جي ڪنهن نه ڪنهن موڙ تي انهن کي اهڙو نه ڌڪ ۽ ڌچڪو لڳو جو اهي هميشه هميشه جي لاءِ تباه ٿي ويو ۽ انهن جو ڪو اهڃاڻ به باقي نه رهيو ۽ انهن جي جاءِ ٻين قومن ورتي - انهي جي لاءِ جيو ويندو آهي ته بي مذهب ٻي نالو ٻي نشان، انهي لادينيت، بي مذهب ۽ دهريت جو تازو مثال سڄي دنيا مان ڪميونسٽ جي رخصتي آهي - روس جو سڄي دُنيا ۾ ڪميونسٽ جي حڪومت جو خواب ڏسي وڏي اميدن سان افغانستان تي جارحيت ڪري حملو ڪيو - روس پنهجي مرضي ۽ خواهش جي برخلاف افغانستان مان ذلت انگيز شڪست کائي شرمندگي جو منهن ڪيٽي واپس پنهجي ملڪ هليو ويو - روس جي انهي ذلت آميز شڪست ڪميونسٽ ملڪن ۾ رهندڙ ڪميونسٽ مخالف عوام کي نئين زندگي بخشي ۽ جرمني، رومانيه ۽ يوگوسلاويه ۽ ٻين ملڪن مان بي مذهبيت ۽ ڪميونزم موڪلائي ويو

تاريخ جي انهن لاهن چاڙهين اها ڳالهه ثابت ڪري ڇڏي آهي ته بي مذهبيت ۽ لادينيت سان ڪا به قوم پنهنجا قدم ڄمائي نه سگهي آهي ۽ "قوم هميشه مذهب سان ٺهي آهي -

بلوچی اور سندھی کے ان مضامین میں پوری کوشش کی گئی ہے کہ کوئی غلطی نہ رہ جائے۔ لیکن زبان کی عدم واقفیت کی بناء پر سہواً کہیں کوئی غلطی رہ گئی ہو تو ادارہ اس کے لئے پیشگی معذرت خواہ ہے۔

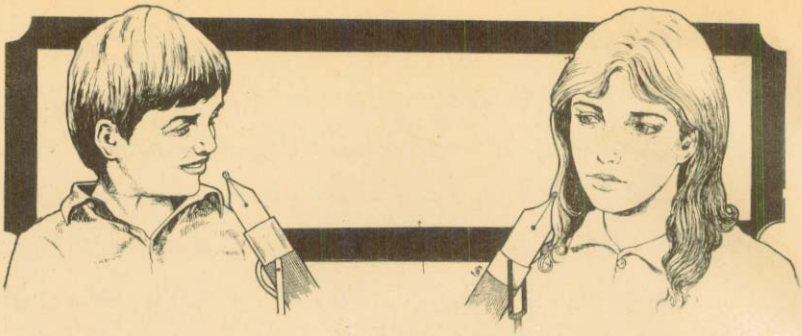

تحریری مباحثے میں تیسرا انعام حاصل کرنے والی دو خوبصورت تحریریں

لڑکیاں والدین کی زیادہ فرمانبردار ہوتی ہیں

موافقت

نورین پیر محمد۔ کراچی

اس بزم میں باتوں کا یقیں کون کرے گا۔
اشکوں کی ضمانت بھی جہاں کام نہ آئے۔

لیکن پھر بھی میں کچھ لکھنے کی جسارت کر رہی ہوں۔ کیونکہ سب انسان ایک جیسے نہیں ہوتے۔ کوئی تو ہوگا جو کہے گا کہ "ہاں واقعی لڑکیاں ماں باپ کی فرماں بردار ہوتی ہیں۔" میں اپنی بات کی ابتدا اس بات سے کروں گی کہ لڑکیاں چونکہ اپنا زیادہ وقت گھر پر گزارتی ہیں چنانچہ انہیں اپنے والدین کی طبیعت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، وہ اپنے والدین کی ذہنی الجھنوں سے بھی آگاہ رہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں اس بات کا لڑکوں سے زیادہ اندازہ ہوتا ہے کہ والدین کے کسی حکم کے انکار سے ان کے والدین پر کیا اثر مرتب ہوگا۔ اس کے برعکس لڑکے چونکہ اپنے وقت کا خاصا بڑا حصہ باہر گزارتے ہیں اس لئے انہیں اپنے والدین کے

مسائل کا کم علم ہوتا ہے۔

تاہم اس صورت حال کے باوجود ہمارے معاشرے میں لڑکوں کو لڑکیوں سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ عام مشاہدہ ہے کہ ماں باپ کی توجہ لڑکے پر زیادہ ہوتی ہے لڑکیاں اپنے والدین کی زیادہ سے زیادہ توجہ چاہتی ہیں۔ اس لئے ان کی خدمت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتیں۔ تاہم والدین سے لڑکیوں کی محبت کی ایک وجہ اور بھی ہے جو کہ قدرتی وجہ ہے اور وہ یہ کہ خدا نے عورت کو پیدا ہی خدمت اور محبت کے لئے کیا ہے فرماں برداری اس کی فطرت ہے۔ آپ اس کی زبان سے "نہیں" کبھی نہیں سنیں گے۔ مزید یہ کہ وہ ماں باپ کی خدمت کو اپنا فرض سمجھتی ہے اور پھر یوں بھی والدین کی خدمت عین عبادت ہے۔

لڑکے بہت سخت دل ہوتے ہیں اس لئے ان میں فرض شناسی بہت کم دیکھنے کو ملے گی۔ وہ صرف اپنے بارے میں سوچتے ہیں وہ فرض اور خدمت کی صرف باتیں ہی کرتے ہیں لیکن وقت آنے پر کبھی فرض نہیں نبھاتے۔ لیکن لڑکے پھر بھی لڑکے ہیں۔ لڑکیاں ان سے کتنی ہی آگے کیوں نہ نکل جائیں زمانہ لڑکیوں کی ہمت، حوصلے اور فرض شناسی کو کبھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہو گا۔

بقول ایک شاعرہ کے۔

میں سچ کہوں گی مگر پھر بھی ہار جاؤں گی۔
وہ جھوٹ بولے گا اور لا جواب کردے گا۔

لڑکیاں والدین کی زیادہ فرمانبردار ہوتی ہیں

(مخالفت)

کاشف نصیر الدین

لڑکیاں والدین کی فرمانبردار ہیں، میں اس بات کا منکر نہیں ہوں لیکن یہ کہنا کہ لڑکیاں ہی صرف والدین کی فرمانبردار ہیں یا لڑکوں سے زیادہ فرمانبردار ہیں تو مجھے اس بات سے اختلاف ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جس طرح سورج اپنی روشنی سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح والدین اپنے بیٹوں سے پہچانے جاتے ہیں۔

آج میری یہ کوشش ہوگی کہ میں اس بات کو ثابت کروں کہ لڑکے والدین کے فرمانبردار ہوتے ہیں بلکہ اس بات کو یوں کہنا زیادہ بہتر ہے کہ لڑکے ہر وقت، ہر دور، ہر زمانے میں والدین کے فرمانبردار ہوتے ہیں جب کہ لڑکیوں کے لئے آج کل کچھ کہنا ذرا مشکل ہے یہاں میں اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لئے ایک

مثال دوں گا۔

حضرت غوث اعظمؒ ایک فرمانبردار بیٹے تھے ایک رات اپنی ماں کے پاس پڑھ رہے تھے کہ والدہ نے نیند سے اٹھ کر پانی مانگا۔ حضرت غوث اعظمؒ پانی لے کر آئے تو وہ سوچکی تھیں۔آپ تمام رات والدہ کے سرہانے کھڑے رہے یہاں تک کہ والدہ نے اٹھ کر پانی پیا"

یہ تو ایک مثال ہے تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ بیٹے والدین کی آنکھوں کا نور اور ان کے بڑھاپے کا سہارا ہوتے ہیں۔

ایسی مثالیں تو ہمیں حال میں بھی نظر آتی ہیں کہ بیٹوں نے اپنے والدین کو کاندھوں پر اٹھا کر حج ادا کروایا یہ لڑکے ہی ہیں جو بڑھاپے میں والدین کا ساتھ دیتے ہیں وہ شروع دن سے گھر والوں کی خدمت شروع کرتے ہیں، پہلے باہر کے چھوٹے چھوٹے کام کرتے ہیں اور آخر کار ایک وقت ایسا آتا ہے کہ یہی لڑکے گھر کی باگ ڈور سنبھالتے ہیں صرف گھر ہی نہیں بلکہ ملک کی بھی باگ ڈور سنبھالتے ہیں اگر یہی لڑکے فرمانبردار نہ ہوتے تو اس کائنات کا نظام کبھی کا درہم برہم ہوجاتا ہر جگہ لڑکوں کی جگہ لڑکیاں نظر آتیں اور اگر اس سے بھی نیچے آپ دیکھنا چاہتے تو کم از کم والدین نے لڑکوں کی خواہش کرنا ترک کر دی ہوتی۔

اکبر جیسے بادشاہ ننگے پاؤں چل کر فرزند کی خواہش کرنے نہ جاتے اگر لڑکے فرمانبردار نہ ہوتے۔ لڑکوں کی فرمانبرداری کی وجہ سے ہر زمانے میں لڑکے کی خواہش تمام والدین کرتے ہیں۔

تاریخ کو غور سے دیکھیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ حضورؐ کے زمانے میں لڑکوں نے جہاد پر والدین کے خدمت کو ترجیح دی ہے۔

خود حضور اکرمؐ کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ حضرت حلیمہ جو کہ حضورؐ کی حقیقی والدہ نہ تھیں انہوں نے صرف حضورؐ کو پالا تھا جب وہ حضورؐ کے پاس آئیں تو انہوں نے ان کے بیٹھنے کے لئے اپنی اوڑھی ہوئی چادر بچھائی اور جانے لگیں تو تحفے تحائف دیکر بھیجا۔

یہاں ایک بات اور واضح کرنا ضروری ہے کہ شاید لوگ ان لڑکوں کی بات کریں جو کہ والدین کے فرمانبردار نہیں ہوتے تو میں ان سے کہوں گا کہ ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں اور ان کے لئے بھی اقبال کہتے ہیں کہ ؎

نہیں نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

آخر میں مجھے یہی کہنا ہے کہ لڑکے والدین کی زیادہ خدمت کرتے ہیں وہ والد کا بازو اور والدہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتے ہیں۔ چنانچہ آخری اور حتمی بات یہ ہے کہ لڑکے والدین کے لئے نعمت خداوندی ہوتے ہیں اور ان کے زیادہ فرمانبردار ہوتے ہیں۔

گرمی کی رُت

شبیر بیگ ناز

آئی گرمی کی رُت یعنی سختی کی رُت
پیاس لگنے لگی دھوپ چبھنے لگی!
جل رہی ہے فضا لُو بھری ہے ہوا
کھیت کُملائے ہیں باغ مرجھائے ہیں
گلیاں سنسان ہیں رستے ویران ہیں
نیم بے ہوش ہیں پنچھی خاموش ہیں
قلفیاں خوب ہیں ٹھنڈے مشروب ہیں
لگ رہی ہے بھلی چھاؤں اب پیڑ کی
جھلسا جھلسا افق آسماں لق و دق
رہ گئی ہیں کہاں جَل بھری بدلیاں

اے خدا رحم کر
پھوڑ گرمی کا سر

مطالعے مشاہدے اور ذہانت کا ماہانہ مقابلہ

غزل پزل

اُسامہ بن سلیم

غزل پزل کا مقابلہ نمبر ۴ حاضر ہے ...... یہ آپ کے مشاہدے اور مطالعے کا امتحان ہے ...... تمام تصاویر کو بغور دیکھئے ...... سوچئے ...... پوچھئے، پڑھئے، اور پھر لکھئے کہ شخصیات کون ہیں۔ ؟ جانوروں کے نام کیا ہیں ؟

علامتوں کا مطلب کیا ہے ؟ عمارتیں کیسی ہیں ؟

...... تمام سوالات کے جوابات ۱۵ جون سے قبل ہمیں بھجوا دیجئے

...... جوابات کے لئے کوپن ضرور استعمال کیجئے جو صفحہ نمبر ۱۴۱ پر موجود ہے۔

...... تمام درست جوابات ارسال کرنے والے ساتھی "جولائی" کے خاص نمبر میں جگہ پائیں گے جبکہ تین خوش نصیب ساتھی قرعہ اندازی کے ذریعہ کتب و رسائل کے تین خوبصورت انعام۔

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ غزل کا ایک شعر ایک تصویر کو سمجھنے کے لئے واضح اشارہ ہے ...... یعنی شعر نمبر ۱ تصویر نمبر ۱ سے تعلق رکھتا ہے۔ جبکہ شعر نمبر ۲ تصویر نمبر ۲ سے متعلق ہے۔

تو پھر ہو جائیے تیار
دیکھتے ہیں آپ کتنے پانی میں ہیں

۱ دانش گاہِ یونانی کا روشن ایک ستارا
علم کا چڑھتا دریا ہے یہ فکر کا بہتا دھارا

۲ ٹن ٹن ٹن ٹن کی آوازوں سے گونجی پوری بستی
لندن کی سڑکوں پہ دیکھو پھر گھڑیال پکارا

۳ کس کے دم سے دنیا بھر کی خبریں ہم تک پہنچیں
برقی رَو کو نیل گگن سے کس نے کھینچ اتارا

۴ کتنے بے رونق چہروں کو دے ڈالی رعنائی
کتنے بیماروں کو اس نے بخشا امرت دھارا

۵ اس جانب خطرات بہت ہیں پیدل چلنے والے
بھول کے بھی اس جانب تم نہ جانا کبھی خدارا

۶ برفانی ٹھنڈک میں کتنے خوش ہیں ان کو دیکھو
اِگلُو گھر میں رہنے والا بچہ کتنا پیارا

۷ دِلّی کی بستی میں تم بھی جا کر اس کو دیکھو
ایکؔ کی تخلیق کا منظر دیکھے عالم سارا

۸ ملتے جلتے کرکٹ سے اس کھیل میں آکر دیکھو
کس نے کس سے بازی جیتی کون ہے کس سے ہارا

۹ اِس کے دَم سے تندرستی ہے اپنے جسم و جاں کی
جس نے اِس کو کچھ نہ جانا اِس نے اُس کو مارا

۱۰ جنگل جنگل حیوانوں میں صدیوں رہنے والا
جانے کیونکر ختم ہوا ہے جانے کس نے مارا؟

3
2
1
5
4
8
6
10
9

مقابلہ نمبر ۳ (مئی ۱۹۹۰ء) کے درست جوابات

(۱) لنگر (۲) ابُوالہول (۳) کھُمبی (۴) کینیڈا کا قومی پرچم (۵) مُڑنا منع ہے (۶) پینگوئن (۷) بَربَط (۸) سمندری گھوڑا (۹) فیل یا ہاتھی (۱۰) امیر خسرو

انعامات حاصل کرنے والے ۳ خوش نصیب ساتھی

(۱) علی رضا، سکھر (۲) کاشف شہزاد، کراچی (۳) زاہد محمد نذیر، لاہور

ایک غلطی کرنے والے ساتھیوں کے نام

(۱) سرفراز علی، زنگیجو۔ ماتلی (۲) برہان الدین، شاہ فیصل کالونی کراچی (۳) ایاز عبداللہ، لاہور (۴) عدنان محمود صدیقی، حیدر آباد (۵) صنوبر سلیم، کراچی (۶) حنا ریاض، نارتھ کراچی (۷) شہباز نعیم، گھمبٹ سندھ (۸) محمد سلمان مغل، ضلع وہاڑی (۹) صدف جلیل، نارتھ کراچی (۱۰) قراۃ العین جعفری، عزیز آباد (۱۱) آفتاب عالم ضیاء، بلدیہ ٹاؤن کراچی (۱۲) عائشہ جمیل، اسلام آباد (۱۳) حماد اکرم، اقبال ٹاؤن لاہور (۱۴) محمد مصباح الدین، کراچی (۱۵) قراۃ العین، نارتھ کراچی (۱۶) صوبیہ ثمر، خیرپور (۱۷) فرخ سرمد، نارتھ ناظم آباد کراچی (۱۸) آفتاب الدین، گجرانوالہ (۱۹) نورالدین، ماتلی سندھ۔

Give up Smoking

"Save The Future"

Smoking:-

* Spoils your health
* Harms the health of others
* Wastes your money
* Kills your stamina
* Pollutes the atmosphere, and sets a bad example for your children

Munazza

Jauharabad

دو گھروں کی ایک کہانی

محمد جاوید خالد

دادی اماں نے عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر دعا بھی نہیں مانگی تھی کہ بدر اور سعدیہ ان کے دائیں اور بائیں آکر لپٹ گئے۔ بدر نے ان کا منہ اپنی طرف کرتے ہوئے کہا۔

"دادی اماں! میری ایک بات مانیں گی؟"

دادی اماں کے جواب دینے سے پہلے ہی سعدیہ نے ان کا منہ اپنی طرف کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں دادی اماں بھائی جان کی نہیں پہلے میری بات سنیں"

"پہلے میری" بدر نے کہا۔ "نہیں پہلے میری" سعدیہ چلّائی۔

"تم لوگ تو ہر بات پر لڑنے بیٹھ جاتے ہو۔" دادی اماں نے جھوٹ موٹ انہیں ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"میں دعا مانگ لوں پھر دونوں کی سنتی ہوں" تسبیح سے فارغ ہو کر انہوں نے دعا مانگی پھر جاء نماز سمیٹتے ہوئے تخت پر جا بیٹھیں دونوں بچے ان کے ساتھ ساتھ تھے۔ اس سے پہلے کہ ان دونوں میں سے کوئی کچھ کہتا۔ دادی اماں نے مسکراتے ہوئے کہا!

"تم لوگ "پہلے میری، پہلے میری" کا شور نہ کرو۔ تمہارا مقصد کہانی سننا ہے نا؟"

"جی"!! دونوں بچوں نے ہاں میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"لیکن راجہ والی" بدر نے اپنی جگہ سے اُچھلتے ہوئے کہا۔

"نہیں دادی اماں رانی والی" سعدیہ بھی فوراً بولی۔

"اے لو! تم لوگ پھر لڑنے لگے۔ اس طرح کرو گے تو میں کسی کو بھی کہانی نہیں سناؤں گی۔ اب رہی بات راجہ اور رانی والی تو آج کی کہانی نہ راجہ کی ہوگی نہ رانی کی" دادی اماں نے کہا۔

"پھر دادی اماں کس کی؟" دونوں بچوں نے ایک ساتھ پوچھا۔

"وہ تمہیں ابھی پتہ لگ جاتا ہے" دادی اماں نے کہنا شروع کیا۔ لیکن یہ جان لو کہ جس نے بیچ میں ٹوکا اسے میں اپنے پاس سے ہٹا دونگی۔ آرام سے بیٹھ جاؤ اور خاموشی سے سنو، کہانی بہت مزے دار ہے۔"

اور دونوں بچے واقعی خاموشی سے بیٹھ گئے۔

"کسی شہر میں ایک لکڑہارا رہتا تھا۔" دادی اماں نے کہانی شروع کرتے ہوئے کہا۔ بڑا ایماندار اور نہایت محنتی۔ روز جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتا اور شہر میں بیچ دیتا۔ اس سے جو رقم ملتی روکھی سوکھی کھا کر گزارا کرتا اور اللہ کا شکر ادا کرتا۔ اس کی بیوی اور بچے بھی اس کی طرح نیک تھے۔ بچے ذرا بڑے ہوئے تو اس نے انہیں مدرسہ میں داخل کرا دیا۔ وقت گزرتا رہا بچے بڑے ہوگئے۔ ان کے اخراجات بڑھنے لگے مگر آمدنی اتنی ہی رہی بلکہ لکڑیوں کا استعمال آہستہ آہستہ کم ہونے کی وجہ سے لوگ لکڑیاں کم خریدنے لگے اور لکڑہارے کی آمدنی بھی کم ہوتی گئی۔ شہر چھوٹا ہونے کی وجہ سے اس کے بچوں کو نوکری نہ ملتی تھی اور اس کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں تھے کہ وہ کوئی کاروبار شروع کر لیتا۔ جب بہت دن اسی طرح گذر گئے تو ایک روز اس نے اپنے بیوی بچوں کو اپنے پاس بٹھایا اور کہا!

"میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ جب کسی جگہ آدمی کے لئے دشواریاں پیدا ہو جائیں اور وہ دشواریاں دور ہوتی نظر نہ آئیں تو آسانیوں کی تلاش میں وہ جگہ چھوڑ دینی چاہئے۔ میرا خیال ہے کہ جنگل کے اس پار جو بڑا شہر ہے ہمیں وہاں جا کر قسمت آزمائی کرنا چاہئے۔ تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟"

"آپ کا خیال ہم سب کا خیال ہے" اس کے بیوی بچوں نے یک آواز ہو کر کہا۔

"ٹھیک ہے" لکڑہارے نے کہا۔ "ہم ضروری سامان باندھ لیتے ہیں۔ گھر کو تالا لگا دیں گے اور کل صبح سویرے یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ تم لوگ سامان باندھو مجھے چند آدمیوں سے پیسے لینا ہیں وہ جمع کرتا ہوں۔"

اگلی صبح وہ سارا کنبہ اپنا مختصر ساز و سامان لے کر چل پڑا۔ شہر ختم ہوا اور جنگل شروع ہو گیا۔ چلتے چلتے جب دوپہر ہو گئی اور انہیں بھوک نے ستانا شروع کیا تو لکڑہارے کے کہنے پر انہوں نے ایک درخت کے

نیچے پڑاؤ ڈال دیا۔ لکڑہارے نے اپنی بیوی سے اینٹیں جمع کر کے ایک عارضی چولہا بنانے کو کہا، بڑے لڑکے کو کچھ لکڑیاں جمع کرنے کے لئے روانہ کیا اور چھوٹے لڑکے سے کہا کہ وہ پکانے کے لئے کوئی سبزی، غیرہ ڈھونڈے۔ خود اس نے چھاگل اٹھائی اور پانی کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگا۔ اتفاق سے قریب ہی اسے پانی کا ایک چشمہ مل گیا اور اس نے استعمال کے لئے وہاں سے پانی بھر لیا۔ اس کا کام سب سے پہلے ختم ہو گیا۔ بیکار بیٹھنے کے بجائے اس نے گھاس پھونس جمع کی اور انہیں ترتیب دیتے ہوئے بل دینے لگا۔ درخت کے اوپر بیٹھا ایک پرندہ یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا اس نے لکڑہارے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا

"تمہارے بیوی بچے تو کھانا پکانے کے سامان کا انتظام کر رہے ہیں مگر تم یہ کیا کر رہے ہوں؟"

"لکڑہارے نے سر اٹھایا، پرندے کو دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں ایک رسی تیار کر رہا ہوں اس رسی سے میں تمہارا شکار کر سکوں گا۔"

پرندہ خوف زدہ ہوا مگر خوف پر قابو پاتے ہوئے اس نے کہا۔ "میں اڑ کر دوسرے درخت پر بیٹھ جاؤں گا دوسرے سے تیسرے پر اس طرح دور نکل جاؤں گا۔"

"میں اور میرے بچے تمہارا تعاقب کریں گے اور آخر کار تمہیں گھیر کر پکڑ لیں گے۔" لکڑہارے نے اطمینان سے جواب دیا۔

اب پرندہ سچ مچ ڈر گیا اس نے سوچا کہ ان میں تو آپس میں بہت اتفاق ہے۔ انہیں اب تک لڑتے جھگڑتے نہیں دیکھا ایک دوسرے کا کہنا بھی خوشی خوشی مان رہے ہیں یہ ضرور مجھے شکار کر لیں گے۔ اس نے لکڑہارے سے کہا۔

"اگر میں تمہارے فائدے کی ایک چیز تمہیں بتا دوں تو کیا تم مجھے چھوڑ دو گے؟"

"یقیناً ایسا ہوا تو تم آزاد ہو گے۔" لکڑہارے نے جواب دیا۔

"تو ٹھیک ہے" پرندے نے کہا۔ "سنو جہاں تم بیٹھے ہو وہاں کھدائی شروع کر دو۔ تمہیں اتنا خزانہ مل جائے گا کہ تمہاری سات پشتیں آرام سے کھا سکیں۔"

کھانا کھانے کے بعد لکڑہارے اور اس کے لڑکوں نے باری باری پرندے کی بتائی ہوئی جگہ کو کھودنا شروع کر دیا۔ سخت محنت کے بعد آخر کار وہ کامیاب ہو گئے خزانہ ان کے ہاتھ لگ گیا اور وہ خوشی خوشی شہر جانے کی بجائے واپس اپنے گھر لوٹ آئے۔ لکڑہارے نے کچھ رقم لگا کر کاروبار شروع کر دیا۔ وہ اور اس کے لڑکے ایماندار بھی تھے اور محنتی بھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا کاروبار بڑھتا چلا گیا اور وہ دن بدن خوشحال ہوتے گئے۔ ان کے پڑوس میں ایک سوداگر تھا وہ شروع ہی سے خوشحال تھا مگر وہ لوگ اچھے نہیں تھے۔ ناشکرے تھے اور دولت بٹورنے کے لئے ہر جائز اور ناجائز طریقہ استعمال کرتے تھے۔ اور سب سے بڑی

بات یہ تھی کہ ہر وقت آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ لکڑہارے کے خاندان کو ترقی کرتے دیکھ کر پہلے انہیں حیرانی ہوئی اور پھر انہوں نے جلنا شروع کر دیا۔ اسی جلن میں ایک روز سوداگر نے اپنی بیوی سے کہا کہ وہ لکڑہارے کے گھر جا کر اس تبدیلی کا سبب معلوم کرے۔ حالانکہ لکڑہارے کی غربت کے دنوں میں انہوں نے کبھی جھانک کر بھی اس کے گھر نہ دیکھا تھا۔ لکڑہارے کی بیوی نے سوداگر کی بیوی کو اپنے گھر میں دیکھا تو سخت حیران ہوئی۔ مگر اس نے اسے نہایت تپاک سے بٹھایا اور اس کی خوب آؤ بھگت کی اور جب سوداگر کی بیوی نے ان کے حالات بدلنے کا سبب پوچھا تو لکڑہارے کی بیوی نے سادگی کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا سب بتا دیا۔

سوداگر نے جب اپنی بیوی سے سارا واقعہ سنا تو اس کے دل میں لالچ پیدا ہوا۔ شام کو بیٹوں کو اکٹھا کیا اور کہا!

"تم میں سے دو یہاں رہ کاروبار سنبھالیں اور باقی دو میرے ساتھ شہر کی طرف چلیں گے۔"

"کیوں؟" چاروں نے ایک ساتھ سوال کیا۔

"کچھ کام ہے" سوداگر نے پوری بات نہیں بتائی۔

تھوڑی ہی دیر میں اس کمرے میں اچھا خاصا شور شروع ہو گیا۔ ان چاروں میں سے ہر ایک اپنی مصروفیت کا بہانہ کر رہا تھا اور بڑے شہر جانے کے لئے دوسرے کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ تنگ آ کر سوداگر نے کہا کہ وہ ساتھ جانے والے دونوں لڑکوں کو پانچ پانچ سو اشرفیاں دے گا۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ چاروں تیار ہو گئے بلکہ اب ساتھ چلنے کے لئے چاروں جھگڑنے لگے۔ سوداگر نے دونوں چھوٹے لڑکوں کو منتخب کیا اور اگلی صبح معمولی سامان لے کر روانہ ہوا۔ چونکہ اس کی بیوی نے لکڑہارے کی بیوی سے کرید کرید کر ساری تفصیل پوچھ لی تھی۔ اس لئے اس نے اسی درخت کے نیچے قیام کیا۔ جہاں لکڑہارا ٹھہرا تھا۔ اور لکڑہارے کی طرح اس نے ایک لڑکے کو لکڑیاں جمع کرنے اور دوسرے کو کھانے پینے کی اشیاء ڈھونڈنے کو کہا مگر اس کے لڑکے لکڑہارے کے لڑکوں کی طرح نہیں تھے۔ وہ کھڑے ہو کر بڑبڑانے لگے۔ "ہم پہلے ہی تھکے ہوئے ہیں۔ گھر سے کھانا کیوں نہیں لے کر چلے۔ اب یہ کام بھی کرو۔ ہم سے تو نہیں ہوتا وغیرہ"

سوداگر نے بھی گھاس پھونس جمع کی اور انہیں الٹا سیدھا بل دینے لگا۔ پرندہ آج بھی اوپر بیٹھا سب تماشا دیکھ رہا تھا اور سوداگر کی حرکتوں کو سمجھ رہا تھا۔ اس نے شوخ آواز میں سوداگر کو مخاطب کیا اور کہا!

"تم کیا کر رہے ہو۔"

سوداگر نے رٹا رٹایا لکڑہارے والا جواب دیا کہ۔ "رسی بنا رہا ہوں جس سے تمہیں شکار کرونگا۔"

پرندے نے ایک زور کا قہقہہ لگایا اور ہنستے ہوئے کہا۔ "میاں سوداگر مجھے شکار کرنے والے تو چلے گئے۔" یہ کہا اور اڑتا ہوا دور فضاؤں میں گم ہو گیا۔ سوداگر ہاتھ ملتا رہ گیا۔ تھوڑی دیر بعد لڑکے بھی ہاتھ لٹکائے ہوئے آ گئے۔ "دور دور تک کچھ نہیں ملا۔" انہوں نے کہا۔

"کم بختو تلاش کیا ہوتا تو ملتا۔" سوداگر نے غصّے سے کہا۔ "اب رہو بھوکے۔ گھر جا کر ہی کھانا۔ بڑے شہر جانے کی ضرورت نہیں چلو واپس۔"

"اور اس طرح بچو"! دادی اماں نے باری باری بدر اور سعدیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "جس جنگل سے لکڑہارا اور بچے نہ صرف پیٹ بھر کر بلکہ خزانہ لئے لوٹے تھے۔ اسی جنگل سے سوداگر اور اس کے لڑکے بھوکے پیٹ ایک دوسرے کو کوستے ناکام و نامراد واپس آئے۔ اب بتاؤ کہانی سے تم نے کیا سیکھا؟"

"نقل کے لئے بھی عقل چاہئے۔" بدر جھٹ بولا۔

جی نہیں دادی اماں بلکہ "لالچ بری بلا ہے۔" سعدیہ نے کہا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا دادی اماں" بدر نے کہا۔

"میرا کہنا صحیح ہے نہ دادی اماں۔" سعدیہ بولی۔

"افوہ"! دادی اماں نے کہا۔ "ایک تو تم لوگ لڑتے بہت ہو اور اس لڑنے میں کہانی کا سب سے بڑا سبق بھی بھول گئے۔ نقل کے واسطے عقل بھی چاہئے اور کسی کو دیکھ کے حسد کرنا یا لالچ کرنا نہیں چاہئے مگر ان سے بھی اہم بات یہ کہ لڑنے جھگڑے والے زندگی میں ہمیشہ نقصان اٹھاتے ہیں سوداگر کی طرح اور مل جل کر رہنے والے خوش رہتے ہیں لکڑہارے کی طرح۔ بات آئی سمجھ میں؟" دادی اماں نے پوچھا۔

"جی ہاں بالکل" دونوں بچوں نے ایک ساتھ کہا اور پھر شاید ان کو خیال آیا کہ وہ بھی تو بہت لڑتے ہیں جب ہی تو کچھ دیر خاموشی کے بعد بدر نے کہا!

"دادی اماں! لڑائی جھگڑا بُری بات ہے اور سعدیہ بھی ٹھیک کہہ رہی تھی کہ لالچ بُری بلا ہے۔"

"ہاں دادی اماں! بھائی جان نے پہلے بھی ٹھیک کہا تھا اور اب بھی صحیح کہہ رہے ہیں۔" سعدیہ نے آہستہ آواز میں کہا۔

دادی اماں نے مسکراتے ہوئے دونوں کا منہ چُوم لیا۔

آنکھ مچولی بُک بینک

ہم نے اپریل کے شمارے میں آنکھ مچولی بُک بینک کے قیام کا اعلان کیا تھا۔ الحمدللہ اس سلسلے میں ہمیں بہت سے خطوط موصول ہو رہے ہیں۔ ذیل میں چند ساتھیوں کے پتے اور کتابوں کی تفصیل شائع کی جا رہی ہے۔ ضرورت مند قارئین اپنی مطلوبہ کُتب صرف ڈاک خرچ بھیج کر ان ساتھیوں سے حاصل کر سکتے ہیں۔

وسیم عباس — میر علی بازار خیر پور میرس (آٹھویں جماعت کا کورس)

محمد آصف رفیق — چک نمبر ۲۴۵ ای بی تحصیل بورے والا وہاڑی (میٹرک آرٹس و سائنس کا کورس)

محمد عارف عابد بلوچ گورنمنٹ ہائی اسکول شہر ک ضلع تربت مکران (ساتویں کا کورس)

—— ۶ بخاری اسٹریٹ رستم پارک سمن آباد لاہور (چھٹی، ساتویں، آٹھویں کا کورس)

—— CA/۳۵ عزیز بھٹی روڈ ماڈل ٹاؤن اے بہاولپور (انٹر آرٹس)

—— سیکٹر ۵ بلاک T مکان نمبر ۴۸۷ گلی نمبر ۲۱ چاندنی چوک سعید آباد کراچی (آٹھویں کا کورس)

—— معرفت سید سبطِ حسن مکان نمبر ۱ عثمان روڈ اسلام پورہ لاہور (پرائمری جیوگرافی فار پاکستان بک ۱۔ ماڈرن سائنس بک ۳۔۴۔۵)

ناگ اور کوّا

م۔ الف راشد

جنگل میں اک شجر پہ چھوٹا سا گھونسلہ تھا
بچّوں سمیت جس میں رہتا تھا ایک کوّا

تھی ہر گھڑی مسرت ہو سانجھ یا سویرا
خوشیوں نے اُس کے گھر میں ڈالا تھا آ کے ڈیرہ

یعنی بڑے مزے سے کوّے کی کٹ رہی تھی
اس کے لئے سکوں کی سوغات بٹ رہی تھی

دو ننھّے منّے بچّے اک سانولی سی کوّی
کوّے میاں کی بچّو کل کائنات یہ تھی

کوّے میاں کا یہ بھی معمول تھا پرانا
ہر روز صبح سویرے بستی کی اُور جانا

اور ڈال ڈال اُڑنا روزی تلاش کرنا
پھر لا کے دانہ دُنکا بچّوں کا پیٹ بھرنا

اک دن کہ جب سویرے پھیلا نہ تھا اُجالا
بچّوں کو ڈسنے آیا اک ناگ کالا کالا

جھٹ پٹ سے جاگ اٹھے کوّے میاں کے بچّے
دیکھا جو ناگ کالا، دونوں ہی ڈر کے چیخے

تب شور سن کے اُن کا کوے میاں بھی جاگے
یکدم اُدھر کو لپکے فوراً مدد کو بھاگے

پھر کائیں کائیں کر کے جو شور ہے مچایا
کوّوں کا ایک لشکر ان کی مدد کو آیا

اور مار مار ٹھونگیں اُس ناگ کے بدن پر
لمحوں میں کر دیا تھا ظالم کو بس برابر

نیچے زمیں پہ اُس کی پھر لاش یوں گری تھی
جیسے جلی پڑی ہو رسی مڑی تڑی سی

پنّوں نے مار ڈالا مِل جل کے اک قوی کو
اور دے دیا سبق یہ سیدھا سا آدمی کو

یعنی ہر ایک لمحہ یہ بات یاد رکھو
آپس میں تم ہمیشہ بس اتحاد رکھو

جبیب بینک ایک ترقی پسند، متحرک،
جدید بینک ملک کے اندر ۱۸۰۰ سے زیادہ
اور بیرونِ ملک ۶۹ شاخوں، ۱۸۰۰ سے
زیادہ غیر ملکی نمائندوں، کمپیوٹر تنصیبات،
نت نئی اسکیموں اور سہولتوں کے ذریعے ملک
کے مستقبل کے لئے حتی المقدور کوشاں ہے۔
ہماری بچت کی اسکیمیں اور طالب علموں
کا خصوصی شعبہ بچوں اور طالب علموں میں
بچت کی عادت ڈالنے کے لئے ہمہ وقت
سرگرمِ عمل ہے۔
حبیب بینک ملک کی ترقی و خوشحالی کے لئے
نئی نسل کی سرپرستی کرتا ہے۔

Habib Bank Limited

(پاکستان میں تشکیل شدہ)
قائم شدہ ۱۹۴۱

ہم ان کے درخشاں مستقبل کے خواہاں ہیں!

حبیب بینک لمیٹڈ

PID (1)/HBL/80/ 1 U

manhattan international

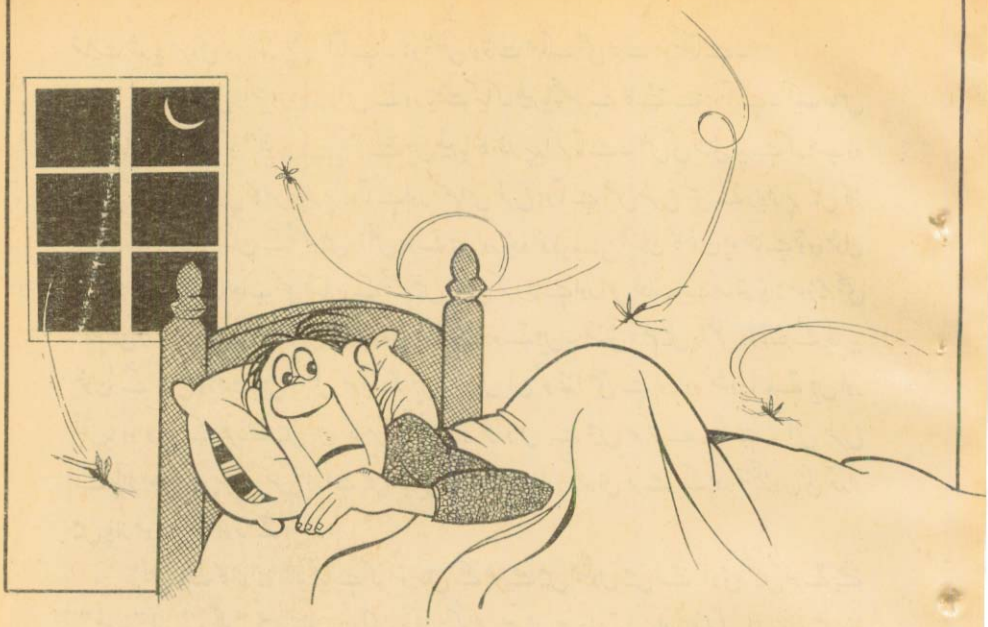

ہے بارہ مہینے کا مہمان مچھر

ساجد سعید

صدیوں پہلے انسان کو بہت سی بیماریوں کا پتہ تک نہ تھا۔ لیکن نہ صرف اب ان تمام بیماریوں کا سراغ لگایا جاچکا ہے جو ہماری عقل کی پہنچ سے باہر تھیں بلکہ ان کے تدارک کے لئے بہت سی دوائیں بھی ایجاد کی جاچکی ہیں۔ ان بیماریوں میں ملیریا ایک ایسی بیماری ہے جس کی وجہ سے ہر سال سینکڑوں افراد دنیا بھر میں ہلاک ہوجاتے ہیں۔ اگر ان میں کوئی بچ بھی جاتا ہے تو وہ مختلف پیچیدہ بیماریوں کا شکار ہوجاتا ہے۔ بہت تھوڑے لوگ یہ جانتے ہیں کہ ملیریا کیا ہے اور کیوں ہوتا ہے اور اس سے بچنے کے لئے کیا اقدامات کئے جائیں؟

ملیریا ایک وبائی بخار ہے جو ایک نہایت ہی چھوٹے سے طفیلی جانور "پلازموڈیم" کے انسانی جسم میں داخل ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس جانور کو صرف خوردبین کی مدد سے دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ عموماً دلدلوں، جھیلوں اور دریاؤں وغیرہ میں ہوتا ہے۔ اس جانور کے کاٹنے سے مریض کو

نہایت شدید سردی اور بخار چڑھ آتا ہے۔ جو بعض اوقات مہلک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔

۱۸۹۸ء میں ڈاکٹر ڈونلڈ راس نے دریافت کیا کہ ملیریا مچھر کے کاٹنے سے ہوتا ہے۔ ایک خاص قسم کا مادہ مچھر جس کو "انوفیلس" کہتے ہیں ملیریا کا بخار پیدا کرتا ہے۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ جب وہ دیوار پر بیٹھتا ہے تو اس کا سر دیوار پر ہوتا ہے اور جسم اس طرح ہوتا ہے جس طرح کسی نے دیوار پر کیل گاڑ رکھی ہو۔ جب یہ انسان کے جسم میں داخل ہوتے ہیں اور مادہ انوفیلس انسان کا خون چوستا ہے تو وہ خون چوسنے کے ساتھ اپنا لعاب بھی انسان کے جسم میں داخل کر دیتا ہے اور اس لعاب کے ساتھ پلاز موڈیم بھی جسم میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ان کے دونوں سرنوکیلے ہوتے ہیں۔ انسانی جسم میں داخل ہونے کے بعد یہ خون کے سرخ ذرات میں داخل ہو جاتے ہیں۔ وہاں ان کو غذا ملتی ہے اور وہ نشوونما پاتے ہیں اور تقریباً دو دن کے عرصے میں ان کا مرکز تقسیم ہو کر دس سے بیس مرکزے بناتا ہے۔ اس طرح نئے پلاز موڈیم دوسرے سرخ ذرات میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور کچھ ہی عرصے کے بعد سینکڑوں کی تعداد میں پلاز موڈیم پیدا ہو جاتے ہیں۔

اس بات کا اندازہ لگایا گیا ہے کہ سو سال کے عرصے میں جنگوں میں اتنے آدمی نہیں مرتے جتنے "ملیریا" اور "ڈینگو" جیسے بخار سے ایک سال کے عرصے میں مر جاتے ہیں اور جو لوگ اس بخار میں بچ جاتے ہیں وہ مختلف بیماریوں کا شکار رہتے ہیں جس کی وجہ سے وہ کمزور اور نڈھال رہتے ہیں۔

بالآخر کونین دریافت کی گئی جو مشرقی سمندروں کے جزائر کے لئے مشہور پودے سنکونا کا جوہر ہے یہ دوائی انسان کو کھلائی جاتی ہے اس طرح یہ انسان کے جسم میں داخل ہو کر ملیریا کے جراثیم سے جنگ کر کے انہیں تباہ کر ڈالتی ہے۔ بیماری سے بچنے کی صورت میں بھی انسان کافی مدت تک کمزور رہتا ہے اور کام کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ اس سے بہتر صورت یہ ہے کہ مچھروں کو پیدا ہی نہ ہونے دیا جائے اگر آپ کے گھر میں مچھر ہیں تو ان کے حملہ کرنے سے پہلے ہی آپ کو حملہ کر دینا چاہئے۔

دنیا میں مچھروں کی بہتات ہے۔ ماہرین اپنے مختلف تجربوں سے ان سے بچاؤ کی تدابیر کر رہے ہیں۔ تقریباً آج سے پچاس سال پہلے سنگاپور کے علاقے میں مچھروں کی سب سے بڑی چھاؤنی تھی۔ وہاں میلوں تک دلدل تھا۔ جس پر روئیدگی کے وسیع جنگل میں مچھروں کے کروڑوں خاندان پل رہے تھے۔ لیکن وہاں کے مقامی افراد نے ان کے خاتمے کے لئے مہم چلائی تو وہاں ایک مچھر بھی باقی نہیں رہا۔

پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے۔ یہاں وسائل کی کمی ہے۔ جس کی وجہ سے ہر سال سینکڑوں بچے مختلف بیماریوں کا شکار ہو کر مر جاتے ہیں۔ اگر تھوڑی سی کوشش کی جائے تو ہم ملیریا جیسی موذی بیماری سے بچ سکتے ہیں۔ مچھروں کو بھگانے کے لئے بازار میں مختلف قسم کی ادویات آگئی ہیں ان کا استعمال بھی مفید

ہے۔ اس کے علاوہ گھر کے برتنوں کو جالی سے بند رکھا جائے۔ صفائی کا خاص خیال رکھا جائے۔ اگر آپ کے گھر میں باغیچہ ہے تو جراثیم کش ادویات یا ڈی ڈی ٹی کا چھڑکاؤ بھی ضروری ہے تاکہ مچھر پیدا نہ ہوں۔

نتائج مقابلۂ تزئینِ رومال

چند ماہ قبل ہم نے طالبات کے لئے ایک مقابلۂ تزئین رومال کا اعلان کیا تھا۔ گو طالبات کی اچھی خاصی تعداد اس مقابلے میں شریک ہوئی مگر بعض نے ہماری شرائط کو اچھی طرح پڑھا نہیں تھا اس لئے تکنیکی طور پر وہ اس مقابلے میں شریک نہیں ہوسکیں۔ بقیہ تمام رومالوں میں سے صرف ۹ رومال ایسے منتخب ہوسکے جنہیں ہم اپنی ننھی بہنوں کی خوبصورت کاوش کہہ سکتے ہیں۔ ان سب کو یکساں معیار کے انعام روانہ کئے جارہے ہیں۔ مبارک باد قبول کیجئے۔

یہ تمام رومال ہم آپ کی جانب سے ہسپتال میں زیر علاج بچوں تک پہنچادیں گے۔

(۱) سیدہ کلثوم فاطمہ، منوڑہ کراچی (۲) سیما عروج صدیقی، ناظم آباد کراچی (۳) ناجیہ اقبال، ایف بی ایریا کراچی (۴) فہمیدہ عباسی، کریم آباد کراچی (۵) اشرف نجم الدین، کریم آباد کراچی (۶) اسماء سعید، کراچی (۷) بینش حنیف، کراچی (۸) ثمرین معین حیدرآباد (۹) اپنا نام نہیں لکھا

تین ریس کاریں ریس میں حصہ لینے کے لئے تیار ہیں۔ مگر جیتنا کسی ایک کو ہے کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ کون سی کار بالآخر فتحیاب ہوگی ۵، نمبر ۳، نمبر یا ۷، نمبر

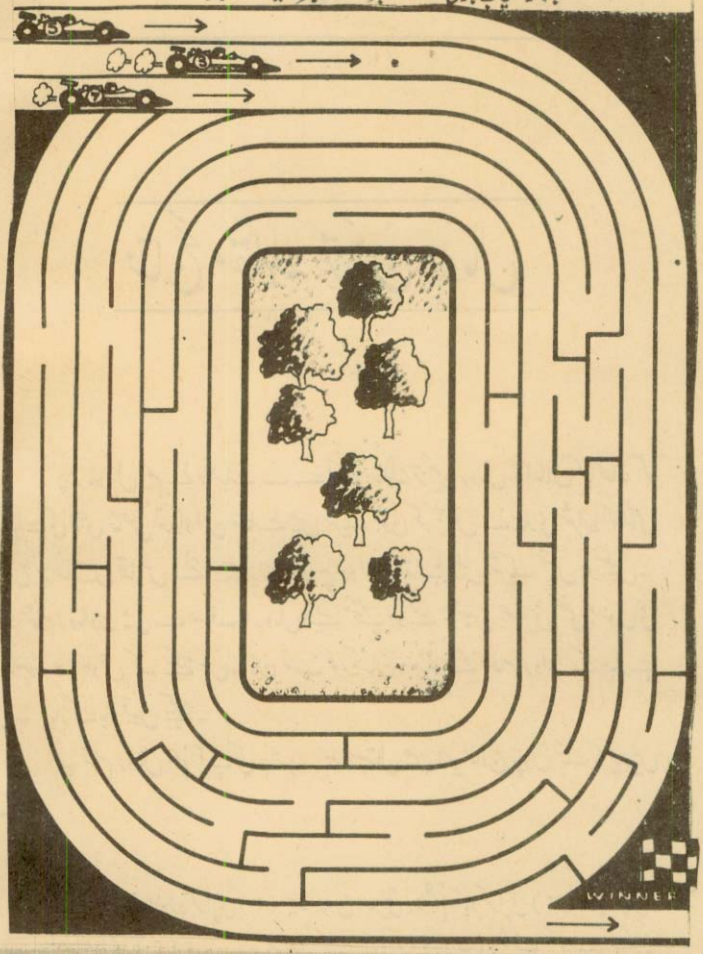

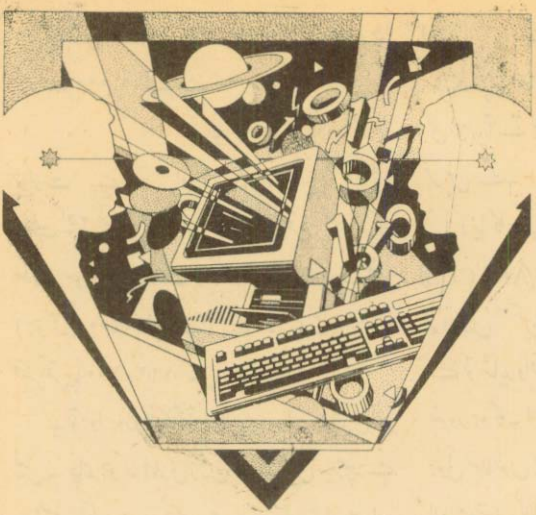

سائنس انکوائری

ایاز محمود

چاند سورج کی روشنی منعکس کرتا ہے لیکن چاند کی روشنی "ٹھنڈی" ملائم ہوتی ہے۔ جبکہ سورج کی روشنی انتہائی گرم۔ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ چاند ٹھنڈی روشنی دنیا والوں تک پہنچاتا ہے اور دوسرا سوال یہ کہ سورج کی زمین تو انتہائی گرم ہے کیا چاند کی سطح بھی گرم ہے اگر گرم ہے تو خلا نورد چاند تک کیسے پہنچے؟

(نامعلوم)

کیا انسان کبھی سورج پر جاسکے گا؟ نیز یہ بھی بتادیں کہ اس کا درجہ حرارت کتنا ہے اور اس پر کونسی گیسیں پائی جاتی ہیں؟

عدنان فاروقی

فیڈرل ، بی، ایریا۔کراچی

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہو گا کہ سورج دراصل ایک ستارہ ہے۔ یہ حرارت اور توانائی کا بہت عظیم منبع ہے اور ہماری زمین پر زندگی کا وجود اسی کا مرہونِ منّت ہے۔ سورج کا مادہ ۸۰ فیصد ہائیڈروجن اور ۱۸ فیصد ہیلیئم گیس پر مشتمل ہے۔

سورج میں ہر وقت بے شمار جوہری دھماکے ہوتے رہتے ہیں۔ یہ دھماکے ایک عمل کے نتیجے میں ہوتے ہیں جسے

جوہری گداخت (ATOMIC FUSION)

کہتے ہیں۔ اس عمل میں ہلکے عناصر کے جوہر آپس میں مل کر بھاری عناصر کے جوہر بناتے ہیں اور نتیجتاً بے پناہ توانائی اور حرارت خارج ہوتی ہے۔ یہ عمل جوہری انشقاق (ATOMIC FISSION) کا الٹ ہے جس میں جوہر کو پھاڑ کر توانائی حاصل کی جاتی ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران جاپان کے شہر ہیروشیما اور ناگاساکی میں جو جوہری بم پھٹے وہ

اسی عمل کا نتیجہ تھے۔ سورج کی سطح کا درجۂ حرارت ۱۰،۰۰۰ (ف) ہے

یہ بہت زیادہ درجہ حرارت ہے۔ اور اس میں مادہ اپنی کسی بھی حالت یعنی ٹھوس مائع اور گیس کو برقرار نہیں رکھ سکتا۔ سورج ایک بہت بڑا جسم ہے۔ زمین کے قطر (جو کہ ۸۰۰۰ میل ہے) کے مقابلے میں اس کا قطر تقریباً ۸۶۴،۴۰۰ میل ہے۔

یہ تو ہوا سورج کا مختصر سا حال۔ اب چاند کی خبر لیں۔ چاند جو کہ ہماری زمین کا ایک ذیلی سیارچہ ہے دراصل ایک مردہ جسم ہے۔ یہ اپنی حرارت اور روشنی کے لئے سورج کا محتاج ہے۔ آپ نے بالکل صحیح کہا کہ چاند سورج کی روشنی منعکس کرتا ہے۔ لیکن بھائی اس سے آپ کے ذہن میں یہ سوال کیوں پیدا ہوا کہ چاند کی روشنی سورج کے برخلاف ٹھنڈی اور ملائم کیوں ہے۔ اس کی وجہ تو صاف ظاہر ہے۔ ایک موم بتی کو چار، پانچ فٹ کے فاصلے سے آئینہ کے ذریعے منعکس کیجئے۔ آئینہ کی سطح موم بتی کے شعلے کی طرح گرم تو نہ ہوگی۔

کمپیوٹر کس نے ایجاد کیا تھا۔ اور جس سائنس دان نے اسے ایجاد کیا۔ اس کے دل میں اس ایجاد کا خیال کیسے پیدا ہوا۔ اور کیوں کر بنایا؟

طارق محمود انجم

بستی عثمان آباد رحیم یار خان

کمپیوٹر کی ایجاد کو کسی ایک شخص سے **معنون** کرنا مناسب نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک طویل ارتقائی عمل کے ذریعے ہی یہ ایجاد آج ہمارے سامنے اپنی موجودہ شکل میں ہے۔ اس سلسلے میں کئی نام آتے ہیں جن کا تذکرہ ہم آگے چل کر کریں گے۔

دنیا کا سب سے پہلا کمپیوٹر ہم **ایباکس** (ABACUS) نامی کھلونے کو کہہ سکتے ہیں جسے ہم اردو میں "گن تارا" کہتے ہیں۔ آپ اس کے نام سے تو شاید واقف نہ ہوں لیکن آپ نے یہ دیکھا ضرور ہوگا۔ اس میں لکڑی کے ایک فریم میں جڑی ہوئی سلاخوں میں موتی پروئے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان موتیوں کو ایک خاص طریقے سے آگے پیچھے کر کے حسابی مشقیں آسانی سے کی جاسکتی ہیں۔ حساب کرنے والی دنیا کی سب سے پہلی مشین ایک فرانسیسی سائنس دان نے ۱۶۴۲ء میں ایجاد کی جو ہندسوں کی جمع اور تفریق کا کام کر سکتی تھی۔ اس سائنس دان کا نام بلے سی پاسکل تھا۔ کچھ ہی عرصہ بعد ۱۶۷۱ء میں ولیم لی بینز نامی موجد نے اس میں ترقی کی اور ایک ایسی مشین بنائی جو ضرب اور تقسیم کے سوالات بھی حل کر سکتی تھی۔

لیکن یہ سب تو بہت پرانی باتیں ہیں جب کمپیوٹر کی شکل اپنی ابتدائی حالت میں تھی۔ ان کا موازنہ آج کی **جدید** ترین مشینوں سے کرنا ایسے ہی ہے کہ جیسے کاغذ کے جہاز کا مقابلہ جدید ترین جیٹ سے کیا جائے۔

۱۸۲۲ء میں ایک انگریز سائنس دان چارلس بیج نے بھاپ سے چلنے والا کمپیوٹر ایجاد کیا جسے ہم جدید کمپیوٹروں کا باوا آدم کہہ سکتے ہیں۔

آپ نے پوچھا ہے کہ سائنس دانوں کے دل میں اس ایجاد کا خیال کیسے آیا، تو بھائی اس کا جواب یہ ہے کہ پہیہ سے لے کر دور جدید تک تمام موجدوں کو پیش نظر ایک ہی بات رہی۔ زندگی کو زیادہ آسان بنانا۔ کمپیوٹر کی ایجاد بھی اسی خیال کے تحت عمل میں آتی چلی گئی۔

ہیلی کوپٹر کا بڑا پنکھا اسے اوپر جانے میں مدد دیتا ہے لیکن وہ ہیلی کوپٹر کو آگے کی طرف کیسے لے جاتا ہے؟

اسی طرح اس کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے لیکن زمین پر کھڑے ہو کر یا جہاز کے اندر بیٹھ کر اس کی رفتار بہت آہستہ معلوم ہوتی ہے۔ آخر ایسا کیوں محسوس ہوتا ہے؟

اکرم سیال توقیر
وکیل والا تحصیل ننکانہ صاحب

ہیلی کاپٹر کا بڑا پنکھا جس چیز کو آپ کہہ رہے ہیں اسے ROTAR کہا جاتا ہے۔ اسے اردو میں گردانہ یعنی گردش کرنے والا بھی کہہ سکتے ہیں۔ گردانے کے ساتھ بڑے بڑے پنکھے ہوتے ہیں جن کی تعداد دو یا چار ہوتی ہے۔ ہیلی کاپٹر کے زمین سے فضا میں بلند ہونے کی وجہ یہ ہے کہ گردانے کے چلنے سے پنکھے پوری قوت سے حرکت میں آجاتے ہیں اور ان کے اوپر کی ہوا کا دباؤ نیچے کی ہوا کے مقابلے میں کم ہوجاتا ہے۔ یہ تو ہے ہیلی کاپٹر کے اڑنے کا اصول۔ اب اس کو آگے بڑھانے یا اپنی مرضی کے مطابق کسی بھی رخ موڑنے کے لئے بھی گردانے کو حسب ضرورت دائیں بائیں یا آگے پیچھے تھوڑا سا جھکایا جاتا ہے۔ یہی نہیں، گردانے کی رفتار کو کم و بیش کر کے ہیلی کاپٹر کو ہوا میں معلق بھی کیا جاسکتا ہے۔ یہ عموماً اس وقت کیا جاتا ہے جب مصیبت میں گھرے ہوئے لوگوں کو وہاں سے حفاظت کے ساتھ نکالنا ہو یا کسی خاص مقام پر کسی قسم کا سامان پہنچانا مقصود ہو۔

آپ نے درست کہا کہ اس کی رفتار خاصی تیز ہوتی ہے، لیکن زمین سے دیکھنے والوں اور خود مسافروں کو اس کا اندازہ نہیں ہوتا۔ یہ دراصل ایک فریب نظر ہے۔ گاڑی یا کسی اور زمینی سواری میں سفر کرتے ہوئے ہمیں رفتار کا اندازہ باہر تیزی سے پیچھے جانے والی چیزوں کو دیکھ کر ہوتا ہے۔ ہوا میں اڑتے ہوئے ہمیں تیزی سے گزرتے ہوئے درخت، کھمبے اور عمارتیں وغیرہ تو نظر نہیں آتیں، البتہ بادل کے ٹکڑے اور پہاڑ کی چوٹیاں نظر آتیں ہیں لیکن نہایت سست رفتاری سے پیچھے جاتی ہوئی۔

◆ انکل! اسٹیل کیا ہے؟ فولاد اور اسٹیل میں کیا فرق ہے۔؟

نسیم گل خان، جامشورو کالونی ایل ایم سی

آپ نے فولاد اور اسٹیل کا فرق پوچھا ہے۔ یہ کیا بات ہوئی؟ فولاد ہی کو تو انگریزی میں اسٹیل کہتے ہیں۔ غالباً آپ پوچھنا چاہ رہے تھے کہ لوہے اور فولاد میں کیا فرق ہوتا ہے اور فولاد آخر ہے کیا چیز؟ ہاں بھئی۔! اب کچھ بات بنی۔ یہ تو آپ کو پتا ہی ہے کہ لوہا ایک مفید دھات ہے

اور صدیوں سے انسان کے کام آرہا ہے۔ لوہے کو اس کی کچدھات سے علیحدہ کرنے کے لئے اُسے بھٹی میں ڈالا جاتا ہے اور مختلف مراحل سے گزارنے کے بعد دھات کی جو شکل ہمیں ملتی ہے اُسے ہم خام لوہا یا پگ آئرن کہتے ہیں اس لوہے سے مختلف چیزیں بنتی ہیں۔ اسی لوہے میں اگر کیمیاوی عمل کے ذریعے مختلف مقدار میں کاربن، کروسیم نکل، مینگنیز وغیرہ کو شامل کیا جائے تو فولاد حاصل ہوتا ہے۔ یہ نہایت مضبوطی کا حامل ہوتا ہے۔ اس سے بے شمار چیزیں بنتی ہیں اور مشینوں کے پُرزے ڈھالے جاتے ہیں۔

بو علی سینا

بو علی سینا جن کا پورا نام حسین بن عبداللہ بن حسن بن علی بن سینا تھا ۳۷۰ ہجری میں بخارا کے قریب ایک گاؤں افشانہ میں پیدا ہوئے۔ آپ بچپن ہی سے بہت ذہین واقع ہوئے تھے۔ لہٰذا بہت چھوٹی عمر میں قرآن شریف حفظ کرلیا اور دوسرے علوم مثلاً ریاضی اور سائنس بھی سیکھنا شروع کر دیئے۔

بو علی سینا نے اپنی ابتدائی تعلیم محمود مساح نامی شخص سے حاصل کی۔ یہ شخص سبزی فروش تھا لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ بہت بڑا عالم اور ریاضی کا ماہر تھا۔

بو علی سینا نے یوں تو ریاضی، فلسفہ اور سائنس وغیرہ کی تعلیم بھی حاصل کی لیکن ان کا اصل میدان طب تھا۔ اس میں انہوں نے بہت ترقی کی اور ستّر سے زیادہ کتابیں لکھ کر اپنا علم دنیا کو منتقل کیا۔ "کتاب الشفا" آپکی بہت مشہور کتاب ہے جو بیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ اسے آپ ایک طرح کا انسائیکلوپیڈیا بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ ایک بہت اہم اور معتبر کتاب ہے۔ اسی طرح آپ کی ایک مشہور کتاب "قانون طب" ہے۔ یہ کتاب ترجمہ ہو کر یورپ پہنچی تو اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ اس کی اہمیت کا اندازہ آپ اس بات سے لگا لیجئے کہ یہ کتاب یورپ میں پانچ سو سال تک درسی کتاب کے طور پر پڑھائی جاتی رہی۔

بو علی سینا کو قدرت نے غیر معمولی ذہن دیا تھا۔ ان کی یادداشت انتہائی غیر معمولی تھی اور پوری کی پوری کتابیں انہیں زبانی یاد ہو جایا کرتی تھیں۔ مشہور ہے کہ بو علی سینا کے کتب خانے میں ایک مرتبہ آگ لگنے سے ساری کتابیں جل کر راکھ ہو گئیں۔ لیکن انہیں کوئی خاص فکر نہیں ہوئی کہ وہ ساری کتابیں ان کے حافظے میں موجود تھیں۔ انہوں نے اپنی یادداشت کے بل بوتے پر بہت سی کتابیں دوبارہ لکھ دیں۔ یہ کتب خانہ انہیں نوح ابن منصور نامی ایک شخص نے اپنے مرض کا کامیاب علاج کرنے پر خوش ہو کر دیا تھا۔

بو علی سینا کا انتقال ۴۲۸ھ میں ہوا۔

فیصلہ خود کیجئے

نازیہ جبین

آٹھویں جماعت کا نتیجہ نکل آیا تھا۔ ہر سال کی طرح گلزار اسکول کا نتیجہ اس دفعہ بھی سو فیصد نکلا تھا اور بہت سے بچوں نے وظائف بھی حاصل کئے تھے۔ آٹھویں کلاس کے بعد ہر بچے کو فیصلہ کرنا تھا کہ وہ سائنس کے مضامین پڑھے گا یا آرٹس کے۔ زیادہ تر بچے سائنس کے شعبے میں آگئے اور چند بچے آرٹس میں رہ گئے۔ پڑھائی شروع ہونے کے بعد بچوں کو پندرہ دن دیئے گئے کہ وہ دیکھیں کہ جو شعبہ انھوں نے اپنے لئے منتخب کیا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں؟

سر فیصل سائنس کی کلاسیں بھی پڑھاتے تھے اور اسکول کے وائس پرنسپل بھی تھے۔ ان کی کلاس میں ایک بچہ جمیل بھی تھا یہ بچہ بہت ذہین تھا اور پورے اسکول میں اس نے دوسری پوزیشن لی تھی۔ سر فیصل نے محسوس کیا کہ اگرچہ جمیل ذہین بچہ ہے مگر اب جمیل کا ذہن پڑھائی میں نہیں چل رہا۔ اور وہ سارا وقت کلاس میں الجھن میں مبتلا نظر آتا ہے۔ جمیل کے علاوہ پانچ چھ اور بچے بھی شعبہ سائنس میں باوجود کوشش کے نہیں چل رہے تھے۔ سر فیصل ذہین اور تجربہ کار استاد تھے انھوں نے محسوس کیا کہ شاید یہ بچے اپنے والدین کی مرضی سے سائنس میں آئے ہیں اور ان کا رجحان اس طرف

نہیں ہے۔ چنانچہ سر فیصل نے اس سلسلے میں اسکول کے پرنسپل سے بات کی۔ پرنسپل سر احمد بہت ہی لائق استاد تھے اور اسکول کا نظام بہت بہتر طریقے سے چلا رہے تھے۔ اسکول کا بہترین نتیجہ آنے کی بڑی وجہ سر احمد ہی تھے۔ ان کے سمجھانے کا انداز اتنا اچھا تھا کہ بچے پوری طرح ہر بات سمجھ جاتے تھے۔ سر فیصل کی زبانی مسئلہ سن کر سر احمد نے کچھ سوچ کر جواب دیا "ٹھیک ہے کل میں اس سلسلے میں بچوں سے کچھ باتیں کروں گا۔ آپ سارے اسکول کے بچوں کو کہہ دیں کہ کل وہ چھٹی کے بعد میدان میں جمع ہو جائیں۔"

دوسرے دن چھٹی کے بعد سب بچے میدان میں جمع تھے۔ سب بچوں میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد پرنسپل احمد تشریف لے آئے۔ ان کے آتے ہی بچے خاموش ہو گئے۔ انھوں نے بچوں سے کہا کہ "آج میں اک خاص مقصد کی خاطر اپنی کہانی آپ لوگوں کو سناتا ہوں۔ امید ہے میری کہانی سن کر آپ بچے بہت کچھ سیکھیں گے" پھر اپنی کہانی کا آغاز کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ میں اس رات کو کبھی نہیں بھول سکوں گا جب میری ماں بیمار پڑی تھی اور میرے والد ڈاکٹر کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ اس دور میں ڈاکٹر بہت کم ہوتے تھے۔ بڑی مشکل سے ایک ڈاکٹر کا پتہ معلوم ہوا۔ تیز بارش کے باوجود ہم دونوں ڈاکٹر کے گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب بیرون ملک گئے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر کے بیٹے نے ہمیں ایک اور ڈاکٹر کا پتہ دیا۔ وہاں پہنچے تو ڈاکٹر نے سردی میں آنے سے انکار کر دیا۔ مایوسی کی حالت میں ہم گھر پہنچے تو والدہ محترمہ سخت تکلیف میں تھیں۔ اور نہایت بے بسی کی حالت میں رات دو بجے ان کا انتقال ہو گیا۔ والدہ کی موت سے مجھے اور میرے والد کو شدید صدمہ ہوا۔ میرے والد کی تو حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔ وہ بہت افسردہ و پریشان تھے۔ کیونکہ میری والدہ نہایت مخلص نیک اور سگھڑ خاتون تھیں۔ انھوں نے ہر مشکل وقت میں والد صاحب کا ساتھ دیا تھا اور تقسیم پاکستان کے وقت جب میرے والد بالکل لٹ پٹ چکے تھے تو والدہ نے ان کا حوصلہ بڑھایا ہر مشکل میں انھوں نے والد محترم کا ساتھ دیا تھا۔ وہ میرے والد سے بھی زیادہ مستحکم مزاج خاتون تھیں۔ لہٰذا ان کی وفات کے بعد والد صاحب بہت عرصے تک ذہنی طور پر شدید پریشان رہے۔ مگر میری خاطر انھوں نے خود کو سنبھال لیا۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ میں ڈاکٹر بن جاؤں۔ خود میری بھی یہی خواہش تھی۔ جب میں نے والدہ محترمہ کو بے بسی کی حالت میں انتقال کرتے دیکھا تھا تو میں نے ڈاکٹر بن کر ہر اک کی خدمت کا ارادہ کر لیا۔ کہ سردی ہو یا گرمی دن ہو یا رات ہر اک کا علاج کروں گا۔" اتنا کہنے کے بعد پرنسپل سر احمد کچھ دیر کیلئے رک گئے۔ بچے نہایت غور سے ان کی بات سن رہے تھے سب بچوں پر ایک گہری نظر

ڈالنے کے بعد وہ پھر بولے "ان دنوں میں نے آٹھویں کا امتحان دے رکھا تھا۔ میں اپنی کلاس کا لائق ترین شاگرد تھا۔ سائنس میں میرے نمبر اگرچہ کچھ کم آئے تھے۔ مگر میں نے سوچا کہ آئندہ محنت کروں گا تو شعبہ سائنس میں بھی بہترین نمبر لے آؤں گا۔ چنانچہ اپنی مرضی اور والد صاحب کی خواہش کے مطابق میں نے سائنس میں داخلہ لے لیا۔ مگر کچھ ہفتوں میں ہی مجھ پر یہ راز کھل گیا کہ میں سائنس کے مضامین کی طرف رجحان نہ ہونے کی وجہ سے صحیح طور پر نہیں پڑھ پا رہا ہوں۔ میں نے سوچا کہ شاید میں محنت کم کر رہا ہوں کیونکہ بہر حال یہ بات صحیح ہے کہ "محنت سے ہر چیز حاصل ہو سکتی ہے" لہٰذا میں نے دن رات محنت کی لیکن پھر بھی صورتحال جوں کی توں رہی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خدا تعالیٰ نے مجھے ایک ڈاکٹر کے بجائے اک معلم کی صلاحیتیں عطا کی تھیں۔ اس کا اندازہ مجھے اس طرح ہوا کہ میں محلے کے کچھ بچوں کو پڑھاتا بھی تھا۔ میرے پڑھائے ہوئے سب بچے اچھے نمبروں سے پاس ہوتے تھے۔ ان میں سے تو کچھ بچوں نے امتحان میں پہلی یا دوسری پوزیشن لینی شروع کر دی حالانکہ پہلے یہ بچے بمشکل پاس ہوتے تھے۔

میرے میٹرک کے امتحانات نزدیک تھے میں نے کوشش تو بہت کی مگر سائنسی مضامین نہ پڑھ سکا۔ پھر وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ میں نے میٹرک بمشکل سیکنڈ ڈویژن میں پاس کیا۔ اگرچہ میرے پاس میڈیکل کی تعلیم حاصل کرنے کے تھوڑے بہت مواقع تو تھے۔ مگر میں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ والد صاحب کی امیدوں اور خوابوں کا واحد مرکز میں ہی تھا۔ مگر میرے والد بھی جان چکے تھے کہ ان کے خواب کا پورا ہونا ناممکن ہے۔ لہٰذا انہوں نے مجھے مجبور نہیں کیا۔

نویں اور دسویں جماعت تک جن مشکلات سے میں گزرا ہوں وہ میرے لئے نہایت اذیت ناک ہیں۔ اس دوران مجھے ایسے مضامین پڑھنے پڑے تھے کہ جو میری ذہنی صلاحیت سے مطابقت نہ رکھتے تھے۔ لیکن ایف۔ اے اور بی۔ اے میں مضامین میری پسند کے مطابق تھے۔ انھیں پڑھنے کا مجھ میں رجحان بھی تھا اور صلاحیت بھی تھی۔ ایم۔ اے میں نے تاریخ، انگریزی اور اسلامیات میں کیا۔ جب میں ٹیچر بنا تو میرے بہترین تعلیمی ریکارڈ کی بنا پر مجھے بیرون ملک ٹریننگ کیلئے بھیجا گیا۔ اور آج میں یہاں آپ کے سامنے پرنسپل ہوں۔ میں سوچتا ہوں کہ اگر آگے میں نے ڈاکٹر بننے کی زبردستی کوشش کی ہوتی۔ تو میں ایک ناکام ڈاکٹر ہوتا اور میری ذاتی صلاحیت جو خدا تعالیٰ نے مجھے دی تھی وہ بھی ضائع ہو جاتی۔ "

اپنی کہانی ختم کرنے کے بعد سر احمد پھر کچھ دیر کیلئے رکے اور پھر بولے۔

"آج ہر بچہ انجینئر یا ڈاکٹر بننا چاہتا ہے۔ ٹھیک ہے یہ بری بات نہیں ملک کی ترقی کیلئے بہت مفید بات ہے، لیکن بچوں یہ بھی سوچئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو مختلف ذہنی صلاحیت عطا کی ہے کوئی ڈاکٹر بنتا ہے کوئی پروفیسر۔ کوئی وکیل کوئی پائلٹ یہاں تک کہ ذہنی صلاحیت کی بنا پر ہی کوئی معمار بنتا ہے کوئی کسان کوئی مزدور، جولاہا اور موچی بنتا ہے۔ ضروری نہیں کہ آپ ڈاکٹر یا سائنس دان بن کر ہی ملک کی ترقی میں ہاتھ بٹا سکتے ہیں۔ بلکہ تعلیم یافتہ شخص تو اگر کسان بھی بن جائے تو وہ جدید طریقوں کا بہترین استعمال کر کے ملکی غذائی ضروریات پوری کرنے میں نہایت اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔"

"یہ سب باتیں کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ جب بھی اپنے لئے زندگی میں کسی شعبے کا انتخاب کریں تو ایک مرتبہ اپنا جائزہ ضرور لے لیجئے کہ آپ کو خدا تعالیٰ نے کیسی صلاحیت عطا کی ہے۔ تاکہ پروردگار کی دی ہوئی صلاحیت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جا سکے۔ اور اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو خدا کی دی ہوئی بہترین صلاحیت ضائع ہو جائے گی۔"

تمام بچے پرنسپل سر احمد کی اس پر تاثیر تقریر سے بے حد متاثر نظر آ رہے تھے۔ اور پھر دوسرے دن جمیل اور چند دوسرے بچے سائنس سے آرٹس کی طرف جا رہے تھے۔ کیونکہ ان بچوں کا خیال تھا کہ وہ ڈاکٹر نہیں بن سکتے اور اپنی ذہنی صلاحیت سے اسی وقت فائدہ حاصل کر سکتے ہیں جب وہ ان مضامین کو پڑھیں جو کہ ان کی ذہنی صلاحیت کے مطابق ہیں۔ یعنی وہ ایک بہترین ڈاکٹر کے بجائے بہترین معلم یا بہترین وکیل ثابت ہو سکتے ہیں۔

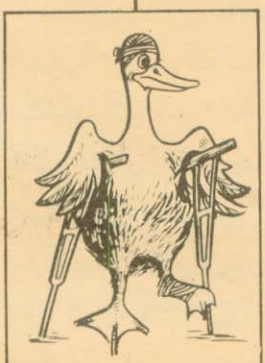

پرندوں کو نہ ماریئے

پرندے ہماری کائنات کا حسن ہیں

پرندے نظامِ حیات کا جزوِ لازم ہیں

اِنھیں نہ ماریئے

انھیں ان کی فطری عمر تک جینے کا حق دیجیے

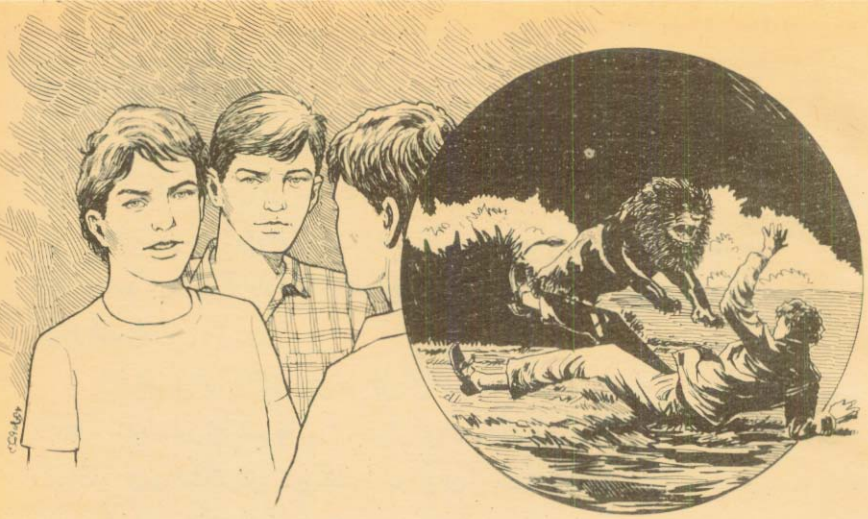

بڑ بولا

محمد پرویز آرائیں ..... لاہور

اصغر کے والد کے پاس ایک پرانی دونالی بندوق ضرور تھی اور انہیں کسی زمانے میں شکار کا شوق بھی رہا ہو گا، مگر اصغر اپنے دوستوں میں جو ڈینگیں مارتا تھا ان میں سو فیصد نہیں تو نوے فیصد جھوٹ ضرور ہوتا تھا۔ اس کی عمر کوئی تیرہ چودہ سال کی ہوگی مگر قصے اس زمانے کے سناتا تھا جب اس کے والد ایک چھوٹے سے قصبے کی پولیس چوکی کے انچارج تھے۔ اس وقت اصغر یا تو پیدا نہیں ہوا تھا اور اگر پیدا ہو گیا تھا تو گودی میں کھیلتا ہو گا۔ گپ مارنے اور شیخی بگھارنے میں اس کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ اس کے دوستوں نے بھی اس کا نام گپّی رکھ دیا تھا۔ مگر اصغر بھی چکنا گھڑا تھا۔ اس پر کسی کے کہنے کا کچھ اثر نہیں ہوتا تھا، بلکہ اس نے اسے اپنا لقب یا خطاب تصور کر لیا تھا۔ ایک روز وہ اپنے دوستوں میں بیٹھا گپ مار رہا تھا کہ امجد نے پوچھا۔ "کیوں اصغر اب تک کتنے شیر مار لئے ہوں گے؟"

"میں نے یا والد صاحب نے؟"

"الگ الگ بتا دیجئے۔" رشید نے لقمہ دیا۔

"بھئی میں نے اکیلے تو کوئی دو تین شیر مارے ہوں گے مگر والد صاحب پچاسواں مار چکے ہیں۔"

"تو آپ نے اتنے سارے شیر کی کھالوں کا کیا کیا۔" امجد نے پوچھا۔

"بڑے آدمی شیر مارتے ہیں تو شیر کی کھال خود نہیں لیتے نوکروں کو دے دیتے ہیں اور گوشت

دوست احباب میں تقسیم ہو جاتا ہے۔"

"میاں کیوں گپ مار رہے ہو۔" اکرم جو اصغر کی گپوں سے چڑا بیٹھا تھا جل بھن کر بولا۔

"شیر کا گوشت بھی کوئی کھاتا ہے۔"

اصغر نے ایک قہر بھری نظر اکرم پر ڈالی اور آتش بازی کی ہوائی کی طرح چھوٹتے ہوئے کہا۔ "تمہیں جب کسی بات کا پتہ نہیں تو خواہ مخواہ اپنی ٹانگ بیچ میں نہ اڑایا کرو۔ اب تم کہو گے کہ ہرن کے شکار کے بعد اس کا مشک نافہ کیوں بٹتا ہے۔"

اصغر جتنا شیخی خور تھا اتنا ہی ذہین اور باتونی بھی تھا۔ چاہے بات کا کوئی سر پیر نہ ہو لیکن اس اعتماد سے بولتا تھا کہ سننے والے کی چپکی لگ جاتی۔ کم بخت میں یہی عیب تھا کہ بات کرتا تو شیر کی یا اژدھے کی، تیتر، فاختہ وغیرہ شاید اس کی لغت میں ہی نہیں تھے۔ جب کوئی ان کی بات کرتا تو ناک چڑھا کر کہتا۔

"میاں یہ سقّوں کے شکار کی چیزیں ہیں۔"

ایک روز پھر اصغر اپنے دوستوں میں بیٹھا گپیں ہانک رہا تھا۔ باتوں باتوں میں اژدہے کا ذکر آ گیا۔ اصغر کہہ رہا تھا، "کئی سال پہلے کی بات ہے میں اور والد صاحب ایک جنگل میں موٹر سائیکل پر جا رہے تھے۔ گھپ اندھیرا تھا اور جنگل میں سے گزرنا مشکل ہو رہا تھا کہ اچانک ہمارے اوپر کسی نے ٹارچ ماری۔ قسم خدا کی میں اس مردود کی خبر لینے والا تھا کہ والد صاحب نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے کہا۔ یہ ٹارچ نہیں اژدہے کی آنکھ ہے۔"

"تو کیا اژدہے کی ایک ہی آنکھ ہوتی ہے؟" اکرم نے پوچھا۔

"اژدہا ایک آنکھ بند اور ایک کھولے رکھتا ہے۔" اصغر نے لاپرواہی سے جواب دیا اور اپنی بات جاری رکھی۔

"ہاں تو میں حیران پریشان دیکھ رہا تھا کہ والد صاحب نے بندوق سنبھالی۔ اتنے میں ہماری موٹر سائیکل ذرا نزدیک آئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس اژدہے کے منہ میں ایک بکری پھنسی ہوئی ہے۔"

"بکری منہ میں کیسے چلی گئی؟" امجد نے پوچھا۔

"اژدہا ہاتھی تک کو سانس سے کھینچ لیتا ہے..... ہاں تو بات سنو، میں نے والد صاحب سے بندوق لے لی کہ اس اژدہے کو میں ماروں گا۔ میں نے ایک گولی بھری اور اژدہے کی آنکھ کا نشانہ لگا کر داغ دی۔ قسم خدا کی وہ آواز آئی جیسے کوئی پہاڑ پھٹ پڑا ہوا۔ بکری منہ سے نکل کر یہ جا وہ جا۔ اژدھے کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ والد صاحب نے شاباش دی اور گود میں اٹھا لیا۔"

"بھئی اصغر کمال کر دیا تم نے۔" رشید بولا۔

"میاں یہ سب دل گردے کی بات ہے۔" اصغر مرغے کی طرح سینہ پھلا کر بولا۔ ہم نے جنگلوں میں وہ شیر دیکھے ہیں کہ جری سے جری انسان کا بھی پتّہ پانی ہو جائے۔"

"شیر کی کتنی قسمیں ہوتی ہیں؟" امجد نے پوچھا۔

"شیر کئی قسم کا ہوتا ہے۔ چتکبرا جو اپنے غار میں ہی شکار کرتا ہے۔ ہندوستان کا پیلا شیر جو ندی میں پڑا رہتا ہے۔ پہاڑوں کا لوٹن شیر جس کا قد بہت چھوٹا ہوتا اور اڑنے والا شیر۔"

"اڑنے والا شیر؟" سب نے حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں اڑنے والا شیر۔ مگر شیر کے اڑنے اور فاختہ کے اڑنے میں فرق ہوتا ہے۔ شیر صرف مکانوں کی چھتوں تک اڑ سکتا ہے۔ یہ شیر بڑا خطرناک ہوتا ہے انسان کو کھاتا نہیں مگر پنجے مار مار کر ہلاک کر دیتا ہے۔"

اصغر کی آج کی گپیں سن کر یوں تو سب ہی لڑکے دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہے تھے مگر اکرم کو بہت طیش آیا۔ جب اصغر چلا گیا تو اس نے امجد اور رشید کو روک لیا اور بولا۔

"یار تم لوگ خواہ مخواہ اس گپی کو شہ دیتے ہو۔ میں تم سے شرط لگا کر کہتا ہوں کہ اس نے آج تک شیر دیکھا بھی نہیں ہوگا۔"

"تو اپنا کیا جاتا ہے؟" رشید بولا۔ "ہم بھی تو اسے بیوقوف بناتے ہیں۔"

"میں کسی بات پر جھگڑا کر کے اس کے دو چار لگانا چاہتا ہوں مجھے اس کی ڈینگوں سے بڑی چڑ ہے۔" اکرم بولا۔

"چھوڑو یار کیا فائدہ جھگڑا کرنے کا۔"

"مجھے ایک ترکیب سوجھی ہے۔ اگر تم ساتھ دو تو مزہ آجائے گا۔" اکرم کا چہرہ ایک دم کھل اٹھا۔

"وہ کیا۔" رشید بولا۔

"رشید تم ایسا کرو کل شام کو اسے اسکول کے گراؤنڈ میں لے آؤ۔ والی بال کے گراؤنڈ کی طرف لے جانا جو بالکل سنسان سا ہے۔ چھ بجے سب گراؤنڈ خالی ہو جاتے ہیں مگر تم وہیں درختوں کے پاس بیٹھنا اور اسے باتوں میں لگائے رکھنا۔ پھر تم پانی کے بہانے کھسک جانا اور میں شیر بن کے پیچھے سے کودوں گا اور اس کی ایسی کی تیسی کر دوں گا۔"

"شیر بن کر؟" امجد نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں شیر بن کر۔ یار میں تو اس کی مرمت کرنے کے بہانے کی تلاش میں ہوں۔ ہمارے گھر میں سر سمیت ایک بڑے شیر کی کھال ہے جو ہم نے کشمیر سے خریدی تھی۔ میں اسے گراؤنڈ میں کپڑے میں لپیٹ

کر لے آؤں گا اور اسے اوڑھ کر اس پر جھپٹوں گا۔ بھئی مزہ آ جائے گا۔ اس شخص نے شیر کیا شیر کی کھال بھی نہیں دیکھی۔ تم دیکھنا کیا ہوتا ہے۔"

"بات کچھ مزے دار سی معلوم ہوئی اس لئے رشید اور امجد مان گئے۔"

اگلے روز رشید اصغر کو وقت مقررہ پر والی بال کے گراؤنڈ میں لے آیا اصغر آج کچھ غیر معمولی طور پر گپ کے موڈ میں تھا۔ وہ گھر سے ہی طرح طرح کی گپیں سناتا آیا تھا۔ گراؤنڈ میں پہنچتے ہی بولا۔ "یہاں کہاں لے آئے ہو چلو ادھر درختوں کے پاس بیٹھتے ہیں۔ مجھے تنہائی پسند ہے۔ آج تمہیں ایک قصہ سناتا ہوں۔ ایک دفعہ ایک چیتا ہماری مرغیوں کو کھانے ہماری چھت پر چڑھ آیا تھا۔" رشید تو چاہتا ہی یہی تھا۔ وہ درختوں کے درمیان آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ کافی دیر تک اصغر کی گپ چلتی رہی۔ اب چاروں طرف اندھیرا چھا گیا تھا۔ ایک دفعہ اصغر نے کہا "بھئی رات ہو رہی ہے چلیں" مگر رشید نے روک لیا کہ گپ شپ میں مزہ آ رہا ہے۔ ادھر امجد میاں اور اکرم بھی سازو سامان کے ساتھ پہنچ گئے تھے۔ امجد کو درخت پر چڑھتے اور اس کے نیچے اکرم کو شیر کی کھال اوڑھ کر لیٹتے رشید نے دیکھ لیا تھا۔ اسے اپنی ہنسی ضبط کرنی مشکل ہو گئی تھی۔ کئی دفعہ جب اس کی ہنسی نہ رک سکی تو وہ اس طرح ہنس دیا کہ گویا اصغر کی بات میں ہی مزہ آیا ہو۔ کھال بھی پورے شیر کی تھی لمبی چوڑی اور کوئی دو دھڑی کا تو اس کا پورا سر اور منہ تھا۔ اس کے اندر اکرم ایسے چھپ کر بیٹھ گیا تھا جیسے شیر اپنے شکار پر جھپٹنے کے لئے تیار ہے۔ جب سارا معاملہ تیار ہو گیا تو رشید بولا۔ "یار بڑے زور کی پیاس لگی ہے تو ذرا یہاں بیٹھ، میں دوڑ کر اسکول کے نل سے پانی پی آؤں"۔ "چل میں بھی چلتا ہوں۔"

"میں تو بس ایک منٹ میں آیا تیری باتوں میں بڑا مزہ آ رہا ہے" اور یہ کہہ کر رشید وہاں سے رفو چکر ہوا۔ اصغر میاں کھڑے ہو کر ٹہلنے لگے۔ درختوں کے اندھیرے میں ڈر لگا تو باہر گراؤنڈ میں نکل آئے پھر خیال آیا کہ کہیں رشید ڈرپوک نہ سمجھ لے۔ کوئی گانا گنگناتے پھر درختوں میں چلے آئے۔ شکر ہے یہ فیصلہ اس نے فوراً ہی کیا ورنہ اکرم تو شکار ہاتھ سے جاتا دیکھ کر گراؤنڈ میں ہی آ کر حملہ کرنے والا تھا۔ اصغر نے درختوں میں آ کر اپنا ڈر مٹانے کے لئے اونچے سر میں گانا شروع کر دیا۔ گا ہی رہے تھے کہ دھم سے کسی کے درخت پر سے کودنے کی آواز آئی۔ مڑ کر دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا۔ مگر جو کچھ نظر آیا اس نے اصغر کے پاؤں تلے سے زمین نکال دی۔ ایک شیر زمین پر لیٹا منہ پھاڑے خونخوار آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اصغر کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور سارے بدن میں کپکپی دوڑ گئی۔ دوڑنا چاہا مگر پاؤں من من کے ہو گئے۔ ادھر شیر نے حرکت کی میاں اصغر نے ایک زور دار چیخ ماری اور وہاں سے دُم دبا کر بھاگے۔ شیر بھی پیچھے بھاگا۔ اکرم کو کھال سنبھالنا مشکل ہو گیا جب دیکھا کہ اصغر ہاتھ سے نکل جائے گا تو کھال میں سے باہر

نکل کر ہی دوڑنا شروع کر دیا اور کھال ایک ہاتھ سے گھسیٹتا رہا۔ ادھر اصغر کے ہوش حواس گم ہو گئے تھے اور خوف کے مارے دوڑنا مشکل ہو رہا تھا اکرم نے اسے اسکول کے بر آمدے کے پاس جالیا اور جھٹ شیر کی کھال اوڑھ کر اس کی ٹانگ پکڑلی۔ اصغر فوراً گر پڑا اور یہ سمجھ کر کہ اب موت کے منہ میں جارہا ہوں، آنکھیں بند کرلیں۔ اکرم تو خار کھائے بیٹھا تھا۔ کھال اس پر سے اتری جارہی تھی مگر اس نے پرواہ نہ کرکے اور اصغر کی بند آنکھوں کا فائدہ اٹھا کر اسے نوچنا بھنبھوڑنا شروع کر دیا۔ اصغر نے خوب چیخ وپکار کی۔ اکرم کے ناخن بھی کافی بڑھے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے ناخنوں سے اصغر کی ٹانگوں اور اس کے منہ پر دو چار کھسوٹے مار دیئے۔ پھر کچھ خیال آیا تو شیر کے پنجے کو پکڑ کر اس کا لمبا ناخن بھی اس کو چبھو دیا۔ آخر میں ایک زور دار مُکّا رسید کر کے کھال کو سنبھالتا ہوا بر آمدے میں بھاگ گیا جہاں رشید اور امجد کھڑے ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ اگلے روز اصغر کے والد نے رشید کے ہاتھ اصغر کی چھٹی کی درخواست بھجوائی اور یہ کہلوایا کہ یہ درخواست اصغر کے ماسٹر کی بجائے ہیڈ ماسٹر صاحب کے ہاتھ میں دی جائے۔ درخواست میں لکھا تھا کل شام کو میرا لڑکا محمد اصغر جماعت ہفتم بی اسکول کے گراؤنڈ میں والی بال کا میچ کھیلنے گیا تھا میچ کے بعد وہ اپنے دوست رشید کے ہمراہ گراؤنڈ میں ٹھہرا رہا۔ کوئی ساڑھے سات بجے گراؤنڈ کے داہنی طرف کے درختوں کے جھنڈ میں سے ایک شیر نے نکل کر اصغر پر حملہ کیا۔ (رشید اس اثنا میں پانی پینے چلا گیا تھا) میرے بہادر بیٹے نے شیر کا خالی ہاتھ مردانہ وار مقابلہ کیا مگر برخوردار کی ناتجربہ کاری کی بدولت شیر غالب آگیا اور اس نے لڑکے کو بُری طرح مجروح کر دیا۔ اسکول کے گراؤنڈ میں اس طرح شیر کے آنے اور طلبہ پر حملہ کرنے کی ذمہ داری اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب پر عائد ہوتی ہے۔ میں اسکول کے منتظمین اور حکام بالا تک یہ معاملہ لے جاؤں گا۔ مگر فی الحال عزیز اصغر کو ایک ہفتہ کی چھٹی عنایت کی جائے۔ وہ گھبرایا ہوا ہے اور تقریباً ایک سو چار ڈگری بخار بھی ہے۔"

"شام کو رشید، امجد اور اکرم اصغر کی مزاج پرسی کے لئے گئے۔ اصغر اپنے کمرے میں لیٹا ہوا تھا۔ ٹانگ اور چہرے پر کئی جگہ ہلدی اور گھی کی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور تھوڑا سا بخار بھی تھا۔ ان کے بیٹھتے ہی بولا۔

"یہ تو ہوتا ہی ہے کبھی چِت، کبھی پَٹ۔ غضب یہ ہوا کہ شیر اڑنے والا تھا اڑ کر درخت پر بیٹھا ہوا تھا اور اچانک مجھ پر کود پڑا۔ میں نے اس کے جبڑے پر ہاتھ دے کر اس کی زبان کھینچی مگر جب کبھی میں اسے قابو کرتا وہ اڑ کر بچ جاتا تھا۔ پھر میں خالی ہاتھ تھا کہاں تک مقابلہ کرتا۔ شکر ہے رشید بچ گیا خیر اب میں نے اور والد صاحب نے سوچا ہے کہ بدلہ ضرور لیں گے...... والد صاحب آج صبح ہی سے اپنی بندوق صاف کر رہے ہیں۔ میں ذرا ٹھیک ہو لوں پھر اسکول کے ساتھ والا جنگل چھان ماریں گے بچ کر کہاں جائے گا؟"

کتنے ذہین ہیں، ہمارے ابّو

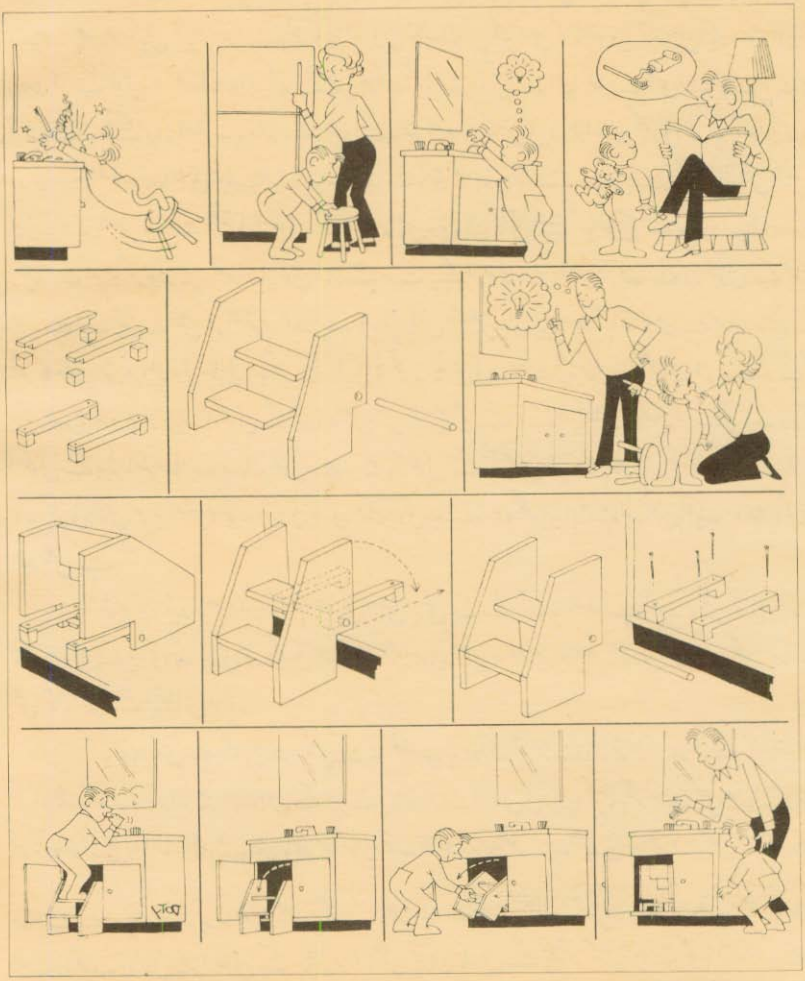

آنکھ مچولی

ساجد بشیر
چوہڑ ھرپال۔ راولپنڈی

بُدھ کا دن تھا میرے بھائی
آدھی رات تھی سر پہ آئی

بی مانو کا بھوک کے مارے
بے حد پتلا حال تھا پیارے

بی مانو نے دِل میں سوچا
یُوں بیٹھے تو کچھ نہ ہوگا

گوشت کا کل تو ناغہ ہوگا
یعنی میرا فاقہ ہوگا

کچھ ترکیب نکالی جائے
جان رگوں میں ڈالی جائے

اِک ترکیب سمجھ میں آئی
زیرِ لب مانو مُسکائی

چوہے اب تک جاگ رہے تھے
اِدھر اُدھر کو بھاگ رہے تھے

بی مانو مُسکا کر بولی
آؤ کھیلیں "آنکھ مچولی"

بی مانو کی شفقت پا کے
چُوہے آئے بھاگے بھاگے

کچھ نہ بولا مانو نے جب
دل میں کچھ مسرور ہوئے سب

پھر تو کھُل کر آگے پیچھے
کُودے پھاندے اُوپر نیچے

مانو جو بیٹھی تھی گُم سُم
بولی اب سب چُھپ جاؤ تم

پہلے چور بنوں گی میں ہی
پھر آجائے باری جس کی

چُوہے پھُولے خوشی کے مارے
چھُپ گئے فوراً جا کے سارے

بی مانو نے موقع پا کر
پکڑا اِک چُوہے کو جا کر

جلدی جلدی اُس کو کھا کے
پکڑا پھر دُوجے کو جا کے

چیں چیں کی آواز سُنی جو
بولے چُوہے دوڑو بھاگو

کھُل گئی مانو کی مکاری
بھاگی چُوہا پلٹن ساری

ساجد مانو ہنس کر بولی
خُوب رہی یہ "آنکھ مچولی"

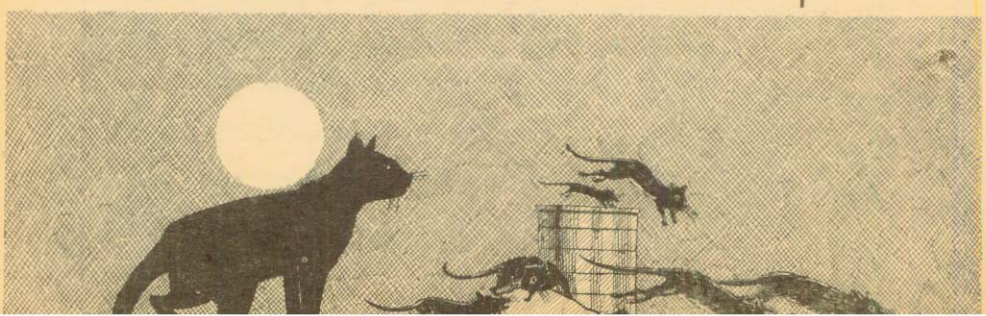

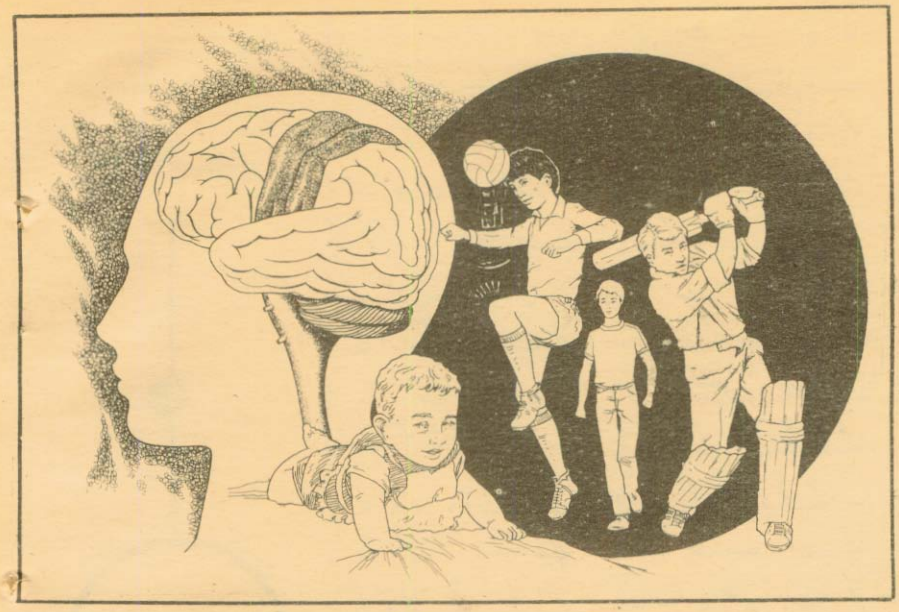

آپ کا دماغ کیسے کام کرتا ہے

شاہد خان

جب کوئی سائنس دان دماغ کے کسی چھوٹے سے ٹکڑے کا معائنہ کرتا ہے تو اسے وہاں نہ تو تاریخیں نظر آتی ہیں اور نہ مچھلی کے شکار سے پسندیدگی یا ناپسندیدگی ہی اسے دکھائی دیتی ہے۔ اسے جو چیز دکھائی دیتی ہے وہ آپ کا دماغ اربوں اعصابی خلیوں اور دوسرے ایسے خلیوں سے مل کر بنا ہے جو اعصابی خلیوں تک تازہ ہوا پہنچاتے اور فضلے کو نکال کر لے جاتے ہیں۔ یہ کروڑوں ، اربوں اعصابی خلیے آپ کے دماغ میں بے ترتیبی سے بھرے ہوئے ہیں ، یہ آپ کی کھوپڑی کے اندرونی حصے میں بڑی حفاظت سے گئے ہوئے ہیں اور تین علیحدہ حصوں میں یا شعبوں میں منقسم ہیں۔

ہر شعبے کے اپنے علیحدہ علیحدہ کام ہیں بہت سے کام تینوں شعبے مشترکہ طور پر انجام دیتے ہیں اور کوئی ایک شعبہ تنہا اپنے طور پر کام نہیں چلا سکتا۔ تاہم ہر شعبہ اپنے اپنے کاموں کا ذمّہ دار ہے ان تینوں شعبوں کو ہم سوچنے کا شعبہ ، عمل کا شعبہ اور دوران خون اور حیوانی زندگی کی نگرانی کا شعبہ کہہ سکتے ہیں۔

دماغ اعلیٰ یا سوچنے کا شعبہ۔

سوچنے کا شعبہ آپ کے دماغ کا وہ حصّہ ہے جو سیکھتا ہے ، یاد کرتا ہے اور آپ کی پانچوں حسّوں یعنی سونگھنے ، چکھنے ، چھونے دیکھنے اور سننے سے بخوبی واقف ہے۔ یہ آپ کے دماغ کا وہ حصّہ ہے جو آپ کی ٹانگوں کو چلنے کے لئے کہتا ہے یا یہ فیصلہ کرتا ہے کہ آپ کو سینما دیکھنے جانا چاہئے۔ آپ کتے کی نسبت کہیں زیادہ ذہین اور سمجھدار اس وجہ سے ہیں کہ آپ کا سوچنے کا شعبہ نسبتاً بہت زیادہ بڑا اور بہتر ہے آپ کیچوے کی بہ نسبت بہت ، بلکہ بہت ہی زیادہ سمجھدار ہیں۔ کیونکہ کیچوے کے دماغ میں سوچنے کا شعبہ سرے سے ہوتا ہی نہیں۔ آپ کا سوچنے کا شعبہ اس وقت کتاب کو پڑھنے اور اس سے متعلق غور کرنے کا کام انجام دے رہا ہے اور یہ آپ کا سوچنے ہی کا شعبہ جو آپ سے کسی حکم کی تعمیل یا اس کے ماننے سے انکار کرتا ہے اپنا ہاتھ اٹھایئے۔

کیا آپ نے اس حکم کی تعمیل کی ؟ اگر نہیں کی تو براہ کرم اب کیجئے ؟ تاکہ ہم آگے بڑھ سکیں۔
اب آیئے دیکھیں کہ یہ حکم دینے کے بعد آپ کے جسم میں کیا وقوع پذیر ہوا۔
جب آپ نے اس حکم کو پڑھا تو آپ کے لاکھوں اعصابی خلئے حرکت میں آگئے اور انہوں نے مندرجہ ذیل کام انجام دیئے۔

۱۔ آپ کی دونوں آنکھوں کے پردے پر ان الفاظ کی کہ "اپنا ہاتھ اٹھایئے" ایک چھوٹی سی تصویر بن گئی۔ اعصابی خلیوں کو سفید کاغذ پر ان سیاہ لیکروں کی ایک تصویر ملی اور اسے انہوں نے آپ کے سوچنے کے شعبے میں ایک مخصوص جگہ روانہ کر دیا۔

۲۔ اس مخصوص جگہ پر دوسرے اعصابی خلیوں نے اس تصویر کو سیاہ ٹیرھی ٹیرھی لیکروں کی شکل میں دیکھا ان اعصابی خلیوں کے نزدیک ان لیکروں کا مطلب اس سے زائد کچھ نہیں تھا جو ان چینی الفاظ کا آپ کے نزدیک ہو سکتا ہے۔

چینی زبان کے ان الفاظ کا مطلب ہے "اپنا ہاتھ اٹھایئے" اب اعصابی خلیوں نے اس تصویر کو آپ کے سوچنے کے شعبہ کے ایک دوسرے حصّے میں بھیج دیا۔

۳۔ اس حصّے میں دوسرے اعصابی خلیوں نے اس کو دیکھ کر اس کا مطلب نکالا۔ ان اعصابی خلیوں نے اس تصویر کا مطلب اس لئے سمجھ لیا کہ انہوں نے اس وقت جب آپ چھوٹے تھے پڑھنے کا کام سیکھ لیا تھا دوسروے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ ٹیرھی ٹیرھی لیکروں یعنی حروف تہجی کا مطلب سمجھنا سیکھ لیا تھا سوچنے کے شعبے کے اس خلئے یعنی پڑھائی والے کمرے سے اس شعبے کے ایک اور حصّے میں

ایک پیغام دوڑ گیا۔

۴۔ اس حصے میں جن اعصابی خلیوں کو یہ پیغام ملا انہوں نے اور بہت سے چھوٹے چھوٹے پیغامات روانہ کئے یہ پیغامات کچھ اس طرح کے تھے۔ "کتاب میں جو مجھے ہاتھ اٹھانے کا حکم دیا گیا ہے میں اس کی تکمیل کیوں کروں؟" لیکن ہاتھ اٹھانے میں ہرج بھی کیا ہے! ٹھیک ہے چلو میں اس حکم کی تکمیل کر ہی ڈالوں" جیسے ہی آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ مجھے ہاتھ اٹھالینا چاہئے، تو یہ پیغام سوچنے کے شعبے کے ایک اور حصّہ میں پہنچا دیا گیا۔

۵۔ اس حصّے میں ایسے اعصابی خلئے ہیں جو آپ کے بازوؤں، ٹانگوں، گردن، انگوٹھوں اور انگلیوں کے عضلات اور تقریباً جسم کے ہر حصے میں احکام بھیج سکتے ہیں سوچنے کے شعبے سے ان اعصابی خلیوں کے ذریعے آپ کے بازوؤں کے عضلات کو یہ حکم بھیجا گیا ان عضلات نے حکم ملتے ہی حرکت کی اور آپ کا ہاتھ اٹھ گیا۔

یہ ساری کارروائی جو اتنے سارے الفاظ میں بیان ہوئی آنکھ جھپکنے میں ہو گئی واقعہ یہ ہے کہ حکم کے الفاظ کو پڑھنے اور اس کے بعد حکم کی تعمیل کرنے کے درمیان وقفے میں جو آنکھ جھپکنے سے زیادہ نہیں تھا مندرجہ ذیل مراحل کے پیغامات اور بھی بہت سے مرحلے طے ہوئے اور مندرجہ بالا پیغامات کے علاوہ اور بھی بہت سے پیغامات آتے جاتے رہے اس قسم کے پیغامات مثلاً "آیا میں اپنا داہنا ہاتھ اٹھاؤں یا بایاں؟" "اسکول میں ماسٹر صاحب کے سوال پوچھنے پر میں نے ہاتھ اٹھایا تھا۔" آج ریڈیو پر میں نے جو پروگرام سنا ہے اس میں اعلان کرنے والا کہہ رہا تھا کہ اپنا داہنا ہاتھ اٹھ کر میرے ساتھ یہ الفاظ دہرایئے۔" وغیرہ وغیرہ۔

چھوٹے سے چھوٹا خیال بھی اگر آپ کے دماغ میں آتا ہے مثلاً یہی کہ "میں بھوکا ہوں۔" تو آپ کے دماغ کے سوچنے کے شعبے میں لاکھوں اعصابی خلئے حرکت میں آجاتے ہیں۔ سوچنے کے شعبے میں اعصابی خلیوں کا ایسا پیچیدہ مجموعہ ہے کہ دنیا میں کوئی شخص اس کے متعلق سب کچھ جانے کا دعویٰ نہیں کر سکتا، لیکن جب بھی کسی سائنس دان کو آپ کے دماغ کے اس شعبے کے متعلق کوئی نئی بات معلوم ہوتی ہے تو یہ نیا انکشاف آپ کی حیرت میں کچھ اور اضافہ کر دیتا ہے۔ مثلاً یہی دیکھئے کہ سائنس دان نے سوچنے کے شعبے میں اعصابی خلیوں کی کل تعداد کا شمار کر لیا ہے اور یہ مقدار نو ارب سے زیادہ ہے۔ یاد رکھئے کہ ہم یہاں صرف اعصابی خلیوں کا ذکر کر رہے ہیں، ورنہ دماغ کے اس حصے میں اور بھی بہت سی دوسری اقسام کے خلئے موجود ہیں۔ اب لطف کی بات یہ ہے کہ یہ سارے کے سارے نو ارب اعصابی خلئے ایک اخروٹ کے خول میں بھرے جا سکتے ہیں۔

اب ذرا غور کریں کہ اپنے پیدا ہونے کے بعد سے اس وقت تک آپ نے جو کچھ جانا ہے جو کچھ سیکھا ہے ہر چیز جو آپ نے اسکول میں پڑھی ہے اور جو کچھ آپ نے اپنی زندگی میں دیکھا ہے اور ہر وہ چیز جو آپ کی شخصیت کو دنیا کے تمام دوسرے انسانوں کی شخصیت سے علیحدہ کرتی ہے۔ ہر چیز یا کیف جسے آپ محسوس کرتے ہیں یا جس کے متعلق سوچتے ہیں۔ یہ سب کچھ اعصابی خلیوں کے ایک ایسے مجموعے میں بند ہے جسے اخروٹ کے ایک خول میں رکھا جا سکتا ہے۔

تمام حیرت انگیز ایجادیں، کتابیں، موسیقی، تصویریں، خیالات انسانی دماغ کے سوچنے کے شعبے میں پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن دنیا کی کوئی ایجاد اس کا ہزارواں حصہ بھی حیرت خیز نہیں ہے جتنا آپ کے دماغ کے سوچنے کا شعبہ ہے۔

دماغ کی کارکردگی۔

ذرا غور کیجئے کہ فٹ بال کھیلنے کے دوران میں آپ کا دماغ کتنے کام انجام دے رہا ہو گا اور کس قدر زیادہ مشغول ہو گا۔ فرض کیجئے کہ آپ گول کے کھمبوں سے دس گز کے فاصلے پر ہیں اور گیند آپ کے پاس ہے۔ آپ کے دائیں جانب سے مخالف کھلاڑی بھاگا آ رہا ہے اور بائیں جانب سے آپ کی ہی ٹیم کا ایک کھلاڑی چلا رہا ہے کہ گیند آپ اس کی طرف پھینک دیں۔ آپ سوچتے ہیں کہ میں گیند اپنے ہی آگے چلاؤں اور خود گول کرنے کی کوشش کروں؟ یا اپنے ساتھی کھلاڑی کی طرف اچھال دوں؟ ان میں سے جو فیصلہ آپ کریں، وہ آپ کے جسم کا چیف انجینیر یعنی آپ کے دماغ کے سوچنے کا شعبہ کر لے گا اور جب تک آپ کا سوچنے کا شعبہ کسی فیصلے پر پہنچے گا اس اثنا میں آپ کا شعبہ عمل آپ کی ٹانگوں کو دوڑاتا رہے گا۔ آپ کے ہاتھوں کے عضلات کو گیند کو پکڑنے رکھنے پر مجبور رکھے گا اور بہت سے چھوٹے بڑے عضلات اس کی نگرانی میں اپنے اپنے کام انجام دیتے رہیں گے اور پھر اس تمام عرصہ میں آپ کے دوران خون اور تنفس کا بھی مشغول رہے گا آپ کے جسم میں دوران خون بھی ہوتا رہے گا اور پھیپھڑوں میں ہوا بھی آتی جاتی رہے گی۔ اگر آپ نے گول کر لیا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ گول کرنے کا کام آپ کے دماغ کے تمام حصوں نے جو آپ کے جسم پر ہر طرح قابو رکھتا ہے، مل جل کر انجام دیتا ہے۔ تو جناب یہ ہے آپ کے دماغ کی کارکردگی کا ایک ادنی سا نمونہ ہے۔

نخاع یا حرام مغز۔

آپ کے دماغ کے یہ تینوں خاص شعبے آپ کے جسم کے ہر حصّے سے پیغامات حاصل کرتے ہیں

اور بھیجتے ہیں۔ آپ کے جسم کے بہت سے حصّوں سے دماغ خاصی دوری پر ہے۔ مثلاً یہ کہ اگر آپ اس تختے پر چل رہے ہوں جہاں سے نیچے تالاب میں غوطہ لگایا جاتا ہے اور آپ کا انگوٹھا تختے کے سرے کو محسوس کرے تو اس احساس کے لئے ضروری ہے کہ تختے کے سرے سے مس ہونے کا پیغام آپ کے انگوٹھے سے دماغ تک پہنچنے اور پھر دماغ کا یہ پیغام آپ کے ٹانگوں کے عضلات تک پہنچے کہ۔ "تم اب تختے کے کنارے پر پہنچ گئے ہو، رک جاؤ اور آگے نہ بڑھو۔" اسی طرح آپ کی جلد کے اربوں اعصابی خلئے گرمی، سردی لمس اور درد کے پیغامات آپ کے دماغ کو بھیجتے رہتے ہیں۔ اور سینکڑوں عضلات کو آپ کا دماغ احکامات بھیجتا رہتا ہے تاکہ وہ اپنے اپنے کام خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکیں۔ یہ سارے پیغامات جو آپ کے دماغ اور جسم کے بقیہ حصوں کے درمیان آتے جاتے رہتے ہیں، ایک مخصوص اور محفوظ تار پر سفر کرتے ہیں یہ تار آپ کی ریڑھ کی ہڈی کے اندر ہے اور اسے حرام مغز کہتے ہیں آپ کا حرام مغز بے شمار لمبے اور اعصابی خلیوں پر مشتمل ہے جو ایک دوسرے سے چپکے ہوئے آپ کی ریڑھ کی ہڈی کے اندر محفوظ ہیں۔ یہ لمبے اعصابی خلئے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک قسم کے خلئے تو آپ کی جلد اور دوسرے حصوں میں پیغامات دماغ تک لے جاتے ہیں اور دوسری قسم کے خلئے دماغ کے احکامات کو جسم سے مختلف حصّوں تک پہنچاتے ہیں۔ ان میں ہر اعصابی خلیہ آپ کے جسم کے کسی چھوٹے سے حصّے کو آپ کے دماغ یا ریڑھ کی ہڈی کے کسی ایک یا ایک سے زیادہ اعصابی خلیوں سے منسلک کرتا ہے۔

آپ کے حرام مغز میں چالیس لاکھ سے زیادہ درد کو محسوس کرنے والے اعصابی خلئے ہیں اور ان کا ہر خلیہ علیحدہ طور پر دماغ سے اپنا اعصابی رابطہ رکھتا ہے۔ ان کے علاوہ گرمی، سردی اور لمس کو محسوس کرنے والے اعصابی خلئے ہیں اور آپ کے جسم میں سینکڑوں عضلات ہیں جو حرام مغز کے ان لمبے اعصابی خلیوں کے ذریعے آپ کے دماغ سے پیغامات حاصل کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام اعصابی خلئے جو آپ کی ریڑھ کی ہڈی کے اندر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے مہین ہونے کا اندازہ آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ ان میں سے ایک لاکھ اعصابی خلیوں کو ملا کر آپ سوئی کے ناکے میں پرو سکتے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ ان میں ہر خلیہ اپنا علیحدہ پیغام لے جاتا ہے اور کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ مختلف خلیوں کے پیغامات ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں اور ان میں کسی قسم کی گڑبڑ پیدا ہو جائے۔

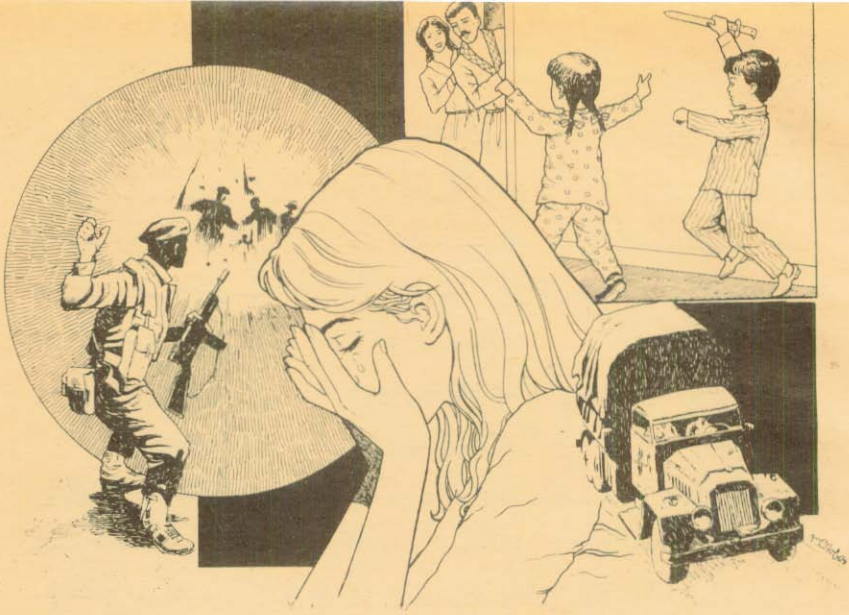

میلے آنسو

سیدہ ناصرہ اعجاز

نہایت دبے پاؤں بھائی جان ایک ہاتھ میں لکڑی کی تلوار لئے اور دوسرے ہاتھ میں پٹاخوں والی بندوق لئے "شیر" کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ جبکہ عین ان کے پیچھے پیچھے شیر سے خائف ہم جھاڑو ہاتھ میں پکڑے چلے جارہے تھے۔ اچانک بھائی جان اپنا اسلحہ لہراتے ہوئے بولے "کیوں گل! شیر کی آواز آرہی ہے مگر شیر نظر نہیں آتا" اور ہم نے فکر مندی سے اپنا سر زور سے ہلانا شروع کر دیا۔

بات صرف اتنی سی تھی کہ ہر روز شام کو جھرر جھرر کی آواز آنا شروع ہو جاتی تھی۔ ایک دن آخر ہم نے بھائی جان سے دریافت کر ہی لیا۔ "بھائی جان یہ کس کی آواز ہے۔" "ارے تم نہیں جانتیں یہ شیر کی آواز ہے بھائی جان نہایت رازداری سے سرگوشی کرتے ہوئے گویا ہوئے" جیسے ہمیں بھوک لگی ہے اور ہم ماما سے کھانا مانگتے ہیں بالکل اسی طرح جب شیر کو بھوک لگتی ہے تو وہ بھی اپنی ماما سے کھانا مانگتا ہے۔ یہ کھانا ہی تو مانگ رہا ہے۔ بھائی جان نے ہمیں مرعوب کرتے ہوئے کہا اور ہم دل میں سوچ رہے تھے کہ بھائی جان کتنے عقلمند ہیں۔ بالکل انکل عابد کی طرح فلسفی لگتے ہیں۔

ہم ذرا بھائی جان کے اور قریب سرک آئے اور نہایت مربیانہ لہجے میں گویا ہوئے "تو کیوں نا بھائی

جان ایک بار شیر کو دیکھ لیا جائے۔ ہمیں شیر کو دیکھنے کا بڑا شوق ہے۔ " آخری جملہ ہم نے قدرے گھگیاتے ہوئے کہا!! کیوں نہیں کیوں نہیں شیر کو تو میں بھی دیکھوں گا مگر سنا ہے کہ شیر بڑا خوفناک ہوتا ہے۔ بچوں کو بغیر کھپائے ہی کھا جاتا ہے!!۔ بھائی جان کچھ فکر مند لگ رہے تھے۔ "لیکن تم فکر نہ کرو میں بہت بہادر ہوں کل جب سب سو جائیں گے تو ہم شیر کو تلاش کریں گے "۔ بھائی جان نے اپنا سینہ مزید پھیلاتے ہوئے کہا۔ اور ہم دونوں شدت سے کل رات کا انتظار کرنے لگے۔

دوسری رات جبکہ ہم پورے گھر کا پانچواں چکر لگا رہے تھے. اچانک بھائی چلتے چلتے رک گئے۔

"گُل! ذرا کان لگا کر سنو آواز اس الماری کے نیچے سے نہیں آ رہی " اور یہ جملہ ادا کرنے سے پہلے ہی بھائی جان الماری کے نیچے آدھے گھس چکے تھے۔ یہاں ہم دونوں ہاتھوں میں جھاڑو کو رائفل کی طرح پکڑے کھڑے تھے کہ ادھر خوفناک شیر باہر نکلا اور ادھر ہم نے فائر کیا۔ دوسری طرف بھائی ہنوز الماری کے نیچے سے شیر کو باہر نکالنے کی سعی فرما رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ہی بھائی جان کی پھنسی پھنسی سی آواز آئی۔

"گل ہمیں پکڑ کر کھینچو۔ " قصور دراصل یہ تھا کہ بھائی جان شیر پر ہاتھ ڈالنے کے چکر میں کچھ زیادہ ہی اندر گھس چکے تھے۔ ہم نے جو زور لگایا تو بھائی جان دھڑام سے باہر۔ باہر آتے ہی بھائی نے فاتحانہ انداز میں ہاتھ کو اوپر کیا اب جو ہم نے ہاتھ کی طرف دیکھا تو اس میں ایک عجیب و غریب قسم کا شیر پھنسا ہوا تھا۔

"ارے بھائی جان اسے نیچے تو رکھیں۔ " ہم نے کہا۔

"ہاں گل اسے نیچے تو رکھ دوں گا مگر یہ پھدکتا ہے " بہر حال بھائی جان نے احتیاط کے ساتھ اس شیر کو نیچے رکھا۔ اب ہم نے دیکھا کہ شیر کے دونوں طرف پر لگے ہوئے تھے۔ چھوٹا سا جسم تھا۔ بھائی جان ہم نے مشکوک نظروں سے شیر کی طرف دیکھا یہ بہت زیادہ چھوٹا نہیں ہے۔ "ارے بے وقوف ابھی یہ بچہ جو ہے۔ " اور ہم بھائی جان کی اس دلیل سے بالکل مطمئن ہو گئے۔ ابھی ہم شیر کو اچھی طرح دیکھ بھی نہ پائے تھے کہ ابّی کی آواز آئی۔

"یہ تم لوگ کیا کر رہے ہو اتنی رات کو چلو جا کے سو جاؤ"۔

"ابّی ابّی بھائی جان نے شیر پکڑا ہے"۔ ہم نے امی کی سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

"شیر پکڑا ہے"۔ امی کچھ نہ سمجھتے ہوئے گویا ہوئیں "اچھا کہاں ہے شیر دکھاؤ تو ذرا"۔

"یہ رہا شیر" بھائی جان نے اپنی مٹھی کھولتے ہوئے کہا۔

"یہ شیر ہے؟" ماما نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں امی یہ شیر ہی ہے مگر ذرا بچہ ہے"۔ ہم نے اپنی معلومات کا رعب جھاڑا۔ ابّی اور ماما دونوں

ہماری بات سن کر ہنسنے لگے۔ ہم نے پریشان ہو کر بھائی کی طرف دیکھا مگر وہ تو خود منہ کھولے ابی اور ماما کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"بیٹے یہ تو "جھینگر" ہے امی نے ہمیں سمجھایا"۔

"جھینگر!! ماما یہ کیا ہوتا ہے"۔

"یہ ایک کیڑا ہے بیٹے"۔ اس کے ساتھ ہی ماما نے ابی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ بچوں کو چڑیا گھر لے جائیں یہ وہاں شیر بھی دیکھ لیں گے اور تفریح بھی کر لیں گے"۔

اور پھر اس واقع کے ٹھیک دو دن بعد ہم چڑیا گھر میں گھوم پھر رہے تھے۔ ابی نے ایک بڑے سے جانور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو کہ پورے پنجرے میں غراتا پھر رہا تھا "یہ ہے شیر"۔ گل بھائی جان نے آہستگی سے کہا اگر پچیس جھینگروں کو بھی ایک جمع کر دیا جائے تو بھی ایک شیر نہیں بنے گا۔ اور ہم نے لازمی طور پر بھائی جان کی تائید کی۔ بھائی جان نے پچیس جھینگروں کی بات اس لئے کی تھی کہ اس وقت صرف پچیس تک ہی گنتی آتی تھی۔

ماہ و سال بیتتے رہے ہم اس طرح بیوقوفیاں کر کر کے عقلمند بنتے رہے ہم دونوں نے تیزی کے ساتھ عمر کی منزلیں طے کی تھیں۔ بھائی جان اب میٹرک کا امتحان دینے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ مجھے بھائی جان کو بیوقوف بنانے میں بڑا مزا آتا تھا ہر روز بھائی جان میری کسی نہ کسی شرارت کا نشانہ بنتے مگر وہ ہمیشہ میری شرارت کو ہنس کر ٹال دیا کرتے تھے۔ وہ مجھ سے بے انتہا پیار جو کیا کرتے تھے۔

ایک دن ہماری تفریح طبع نے نیا گل کھلایا ہوا یوں کہ انھیں اپنے دوستوں سے ملنے جانا تھا لہٰذا وہ جلدی جلدی اپنی تیاریوں میں مگن تھے۔ ہم جو ایسے موقع کی تاک میں رہتے تھے فوراً گئے اور ایک بڑے سے کاغذ پر موٹا موٹا لکھ لائے۔ "میرا نام احمق ہے" اور موقعہ دیکھ کر ان کی قمیص پر پیچھے چپکا دیا۔ بھائی جان چونکہ جلدی میں تھے اس لئے جلد ہی گھر سے نکل گئے۔ اور یہ بھی ایک طرح سے اچھا ہوا کیونکہ اگر وہ گھر میں کچھ دیر اور رکتے تو کوئی نہ کوئی گھر میں ضرور دیکھ لیتا اس طرح ہماری شرارت کا بھانڈا پھوٹ جاتا۔

بھائی جان سیدھے اپنے دوست کے گھر پہنچے کافی دیر بعد ان سے بات چیت کی اور جب جانے کے لئے مڑے تو ایکدم بھائی جان کے دوستوں نے ان کو پکڑ کر زور زور سے گلے لگانا شروع کر دیا اور گویا ہوئے۔ "آہا! مجھے کتنا ارمان تھا کہ آپ سے ملوں سچ اپنی قدر تو آپ میرے دل سے پوچھئے۔" واہ انھوں

نے بھائی جان کا سرتا پا جائزہ لیا شخصیت تو بہت اچھی پائی ہے۔ بالکل بے وقوفوں والی نہیں لگتی مگر صاحب ظاہر پر کون جاتا ہے۔ اصل چیز تو باطن ہے میاں میری دعا ہے کہ تمہارا یہ اعزاز برقرار رہے کتنے بچتے ہو یار تم اس روپ میں۔ دوست صاحب نے بھائی جان کی پیٹھ ٹھونکی۔ بھائی جان پر شدید بوکھلاہٹ طاری تھی انکی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اچانک ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی غصہ بھی کیوں کہ وہ سب انھیں بہت عزت و احترام کے ساتھ مسلسل احمق کہہ کر پکار رہے تھے۔

"آخر ماجرا کیا ہے؟" بھائی جان چیخے۔ کافی دیر بعد جب وہ سب بھائی کا جی بھر کو مذاق اڑا چکے تو یہ بات ظاہر کی کہ انکے پیچھے ان کا نام احمق لکھا ہوا ہے اور بھائی جان نے ایک لمحے کے توقف کے بغیر سمجھ لیا کہ یہ حرکت کس کی ہو سکتی ہے۔ بھائی جان جب گھر میں داخل ہوئے تو انکا موڈ سخت خراب تھا۔ انھوں نے ایک نظر مجھ پر ڈالی اور اپنے کمرے میں چلے گئے۔ ہم دل ہی دل میں ڈر رہے تھے کہ کہیں بھائی ماما سے شکایت نہ کر بیٹھیں ورنہ تو ہماری خیر نہیں لیکن خدا کا شکر کہ رات تک کوئی واقعہ نہیں ہوا اس دوران بھائی جان نے ہم سے بالکل بات نہ کی۔ رات جب ابی اور ماما سو گئے تو ہم بھائی جان کے کمرے میں گئے۔ بھائی جان ہم نے پکارا "ہوں" انہوں نے گویا لٹھ کھینچ مارا "آپ ہم سے ناراض ہیں کیا؟"

"نہیں"

"پھر ہم سے بات کیوں نہیں کر رہے ہیں؟"

"ہماری مرضی۔" یہ کہہ کر بھائی جان نے منہ دوسری طرف گھما لیا۔

"اچھا بھائی جان ہمیں معاف کر دیں۔" ہم نے لجاجت سے کہا۔

"گل! تم کیا یہ چاہتی ہو کر لوگ تمہارے بھائی کا مذاق اڑائیں تو پھر ٹھیک ہے تم اس قسم کا مذاق مجھ سے کر سکتی ہو۔" بھائی جان قدرے ناراض لگ رہے تھے۔ اور ہمیں احساس ہو رہا تھا کہ ہم نے جو کچھ بھی کیا وہ ٹھیک نہیں تھا۔ ہماری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ بھائی جان یہ دیکھ کر بوکھلا گئے اور فوراً کہا "جاؤ بابا معاف کیا۔" اور ہم ہنس دیئے۔

وقت کچھ اور آگے سرک آیا بچپن کی شوخی و شرارت کی جگہ متانت نے لے لی۔ بھائی جان نے ایف ایس سی شاندار نمبروں سے پاس کر لیا۔ اور ابّی کی خواہش پر فوج میں چلے گئے۔ اس دن بھائی جان تو خوش تھے ہی مگر میں حد سے زیادہ خوش تھی۔ بھائی کو دیکھ کر بہن کا دل خوشی سے بھر جاتا تھا۔ جہاں اتنی خوشیاں تھیں وہاں ایک تکلیف دہ بات یہ بھی تھی کہ بھائی جان کی تبدیلی دوسرے شہر ہو گئی۔ اس دن تو بھائی جان خود بھی اداس تھے۔ ہم کبھی ایک دوسرے سے اتنے دن تو کیا۔ دو دن بھی جدا نہیں

ہوئے تھے۔ لیکن جانا تو بہر حال تھا ہی۔ بھائی جان نے مجھے بہت ساری تسلیاں دیں اور میں نے ایک مسکراہٹ کے ساتھ انہیں الوداع کہا۔ اور جب کچھ عرصے بعد بھائی جان واپس آئے تو ایک لمحے کے لئے میں انہیں پہچان ہی نہ سکی۔ فوج کی سخت تربیت نے نہیں کیا سے کیا بنا دیا تھا۔ اور جب انہوں نے محبت سے ہماری پیٹھ ٹھونکی تو ہم سجدے میں جاتے ہوئے بال بال بچے۔ کچھ دن گزار کر بھائی جان دوبارہ چلے گئے۔

وقت اپنی رفتار سے چلتا رہا۔ اب بھائی جان فوج میں کیپٹن کے عہدے پر فائز تھے۔ بھائی جان انتھک محنت کرتے۔ اسی وجہ سے اپنی رینک میں بہت نمایاں تھے۔ بے شمار انعامات واعزازات انہوں نے اپنی بہترین کارکردگی کی بنیاد پر حاصل کئے تھے۔ اور انہوں نے نہایت تیزی کے ساتھ ترقی کی منازل طے کیں تھیں۔ جب میں اس سے مذاق میں کہتی کہ بھائی جان تو بڑے آدمی ہوگئے ہیں تو وہ نہایت سنجیدہ لہجے میں کہتے۔ ''نہیں گل ابھی میں نے کچھ نہیں کیا مجھے وقت کا انتظار ہے جب میں ایسا کام کروں کہ امر ہو جاؤں۔'' میں نے کچھ سمجھتے ہوئے اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے سر ہلا دیا۔

اور بالآخر ایک دن بھائی جان کو اپنے خوابوں کی تعبیر مل گئی۔ جبکہ انہیں کمانڈوز تربیت کے لئے منتخب کر لیا گیا۔ اتنا بڑا اعزاز میرے بھائی کو ملا تھا۔ خوشی مجھ سے سنبھالے نہ سنبھل رہی تھی۔ اب بھائی جان سے ہماری ملاقات بہت کم ہوتی تھی۔ مہینوں بیت جاتے تھے اور ہم بھائی جان کی صورت کو ترستے تھے مگر پھر بھی مطمئن تھے۔

ایک دن رات کے کوئی ایک بجے دروازے پر تیز دستک نے ہم سب کو گہری نیند سے بیدار کر دیا۔ ابّی اٹھ کر باہر دیکھنے گئے۔ ہم سب اپنی اپنی جگہ سوچ رہ تھے کہ اتنی رات گئے ہمارے گھر کون آیا ہے۔ مگر جب آنے والے کو دیکھا تو بے اندازہ خوشی ہوئی۔ ابی کے ساتھ ساتھ بھائی جان کمرے میں آرہے تھے۔ لیکن اس وقت بھائی جان بہت زیادہ سنجیدہ لگ رہے تھے۔

''خیریت بیٹے اتنی رات گئے۔'' ماما نے دریافت کیا۔

''جی ماما آپ لوگوں سے بس چند لمحوں لے لئے ملنے آیا ہوں۔ ابّی، ماما اور گل! بھائی جان نے ہم تینوں کو بیک وقت مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ مجھے اور میرے دو ساتھیوں کو ایک اہم کام سونپا جارہا ہے جسے انجام دینا میرے لئے بہت زیادہ خوش قسمتی کی بات ہوگی۔ ہم ابھی اور اسی وقت روانہ ہو رہے ہیں۔ میں کہاں جارہا ہوں اور کیوں جارہا ہوں یہ میرے فرض میں شامل ہے کہ یہ بات میں آپ لوگوں کو نہ بتاؤں میرے لئے دعا کیجئے گا کہ آپ کا بیٹا وطن کی آن بچالے۔'' یہ کہہ کر انہوں نے اپنا سر ابّی اور

ماما کے آگے جھکا دیا۔ ماما کی آنکھوں میں اس وقت آنسو جھلملا رہے تھے۔ لیکن بھائی جان کے چہرے پر اس وقت عزم اور حوصلے کی نئی داستان رقم تھی۔ چاروں طرف لگتا تھا۔ کہ روشنی کا ہالہ سا بن گیا ہے۔

"بھائی جان آپ لوٹ کر کب آئیں گے؟"

میں نے سوال کیا۔ انہوں نے جواب میں مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ سر پر ہاتھ پھیرا اور خاموشی سے باہر نکل گئے۔ ابّی، ماما خاموش کھڑے تھے۔ پورے گھر میں ایسا لگتا تھا کہ اب کوئی نہیں ہے۔

دو دن تک ہمیں بھائی جان کی کوئی خبر نہ ملی۔ لیکن تیسرے دن علی الصبح دروازے کی دستک نے ہم تینوں کو ہی بے قرار کر دیا اور ہم تینوں ہی دروازے پر پہنچ گئے۔ لیکن دروازے پر بھائی جان نہیں بلکہ دو آدمی فوجی لباس میں مؤدب کھڑے تھے۔

"کیپٹن طلحہ احمد کے والد آپ ہی ہیں۔" ان میں سے ایک نے ابی کی طرف اشارہ کیا۔

"جی ہاں! مگر طلحہ کیوں نہیں آیا۔" ابی نے بے چینی سے پوچھا۔ انہوں نے اپنے سروں کو جھکا لیا اور کہا۔ "ہمیں نہایت دکھ اور افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ کیپٹن طلحہ احمد نے وطن کی خاطر اپنی جان قربان کر دی۔ وہ اب ہم میں نہیں رہے۔" ہمیں ایک دم ایسا لگا کہ آسمان۔ زمین پر اتر آیا ہو۔ زمین پھٹ گئی ہو اور ہر طرف اندھیرا چھا رہا ہو۔ کانوں میں تیز ہوا کی سائیں سائیں کے علاوہ کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔

ہم سے ہمارا سب کچھ چھن گیا۔ ماما اور ابی اپنی قیمتی متاع حیات لٹا کر بھی پر عزم تھے۔ لیکن سب سے زیادہ کمزور حوصلے کی بہن ہی ثابت ہوئی لگتا تھا پوری کائنات آنسوؤں میں ڈوب گئی ہو۔ کہتے ہیں کہ وقت بڑے سے بڑے دکھوں کا مداوا ہے۔ لیکن جب ہمیں اپنے بھائی کی شہادت کے واقعات کا علم ہوا تو لگا کہ پھر سے زخم رسنے لگے ہوں۔ ایک ناقابل بیان تکلیف پورے وجود پر چھا گئی ہو۔ وہ دو ساتھی جو بھائی جان کے ہمراہ تھے ان کے بیان کے مطابق عین اس وقت جب وہ اپنی کارروائی مکمل کر چکے تھے۔ دشمنوں کی فائرنگ نے ان کی جیپ کے ٹائر کو تباہ کر دیا۔ اب ایک ہی صورت تھی کہ جلد از جلد یہاں سے نکل جائیں کیپٹن طلحہ احمد نے بھاگتے ہوئے بم ان پر کھینچ مارا لیکن اس کے ساتھ ہی سینکڑوں کے قریب گولیاں ان کی ٹانگ میں پیوست ہو چکی تھی۔ وہ اب ہمارا ساتھ نہیں دے سکتے تھے۔ وقت بہت کم تھا ہم میں سے ایک نے ان کو کاندھے پر اٹھانا چاہا مگر انہوں نے انکار کر دیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے ساتھ ساتھ ہماری زندگیاں بھی خطرے میں پڑ جائیں گی۔ انہوں نے ہم سے صرف ایک درخواست کی کہ ہم انہیں کسی بھی طرح جیپ تک پہنچا دیں۔ گو کہ دشمن چاروں

طرف سے متواتر آگے بڑھ رہے تھے۔ لیکن ہم بم برساتے ہوئے مخالف سمت میں ایک چکر کاٹتے ہوئے کیپٹن طلحہ کو لے کر جیپ کے پاس کسی نہ کسی طرف پہنچ ہی گئے۔ دشمن اسی غلط فہمی میں آگے بڑھتے چلے گئے۔ کہ ہم آگے کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ لیکن یہ صورت حال بہت خطرناک بھی ثابت ہو سکتی تھی۔ کیونکہ دشمنوں کی نئی کھیپ متواتر آگے آرہی تھی۔ کیپٹن طلحہ احمد نے جیپ سے پٹرول نکال کر اپنے اوپر اور گاڑی کے اوپر اچھی طرح چھڑک لیا وہ ہر صورت میں اپنی شناخت مٹانا چاہتے تھے۔ اور اس کا صرف اور صرف ایک ہی طریقہ تھا وگرنہ دشمنوں کو ان کی مدد سے ان کے ملک کی شناخت کر لینا چنداں دشوار نہ تھا۔ اور انہیں اپنا ملک اپنی جان سے بھی زیادہ پیارا تھا۔ موت اپنے سائے پھیلانے لگی۔ آگ کے زبردست شعلے ہر طرف ناچنے لگے۔ پوری جیپ میں آگ لگ چکی تھی ہم بھاگتے ہوئے متواتر مڑ مڑ کر پیچھے دیکھ رہے تھے۔ آفرین ہے ان پر کہ ان کے منہ سے چیخ تو درکنار ہے ایک کراہ تک نہ نکلی۔ انہوں نے ہنسی خوشی اپنی جان اپنے وطن کی بقا و سلامتی پر قربان کر دی۔

آج بھائی جان کو ہم سے بچھڑے ہوئے کئی سال ہو گئے ہم تو ان کی ایک قبر بھی نہ بنا سکے۔ نہ جانے کس کس طرح سے ان کی سوختہ ہڈیوں کی بے حرمتی کی گئی ہوگی۔ کیسا عجب وقت پڑا تھا۔ میرے بھائی پر لیکن انہوں نے ثابت کر دیا کہ ان کے ملک کا ایک ایک فرد وقت پڑنے پر آگ کے شعلوں میں جانتے بوجھتے کود سکتا ہے۔

وہ آج مادر وطن کے سامنے سرخرو ہوئے۔ میں اس عزم کو کیا نام دوں کس طرح کہوں کہ میرے بھائی تم عظیم تھے۔

آج جب کسی بچے کو جھینگر کو شیر سمجھتے ہوئے دیکھتی ہوں تو تم یاد آتے ہو۔

کسی بہن کو اپنے بھائی کے ساتھ دیکھتی ہوں تو تم یاد آتے ہو۔

کس قوم کے پاسبان کو جوش اور ولولے کے ساتھ دیکھتی ہوں تو تم یاد آتے ہو۔

آج بھائی کے شہادت کا دن ہے۔ آج ان کی برسی ہے۔ چاروں طرف سکوت طاری ہے۔ لیکن دور، کہیں سے ایک صاف پاکیزہ صدا متواتر سنائی دیتی ہے۔

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون ۝

"اور جو لوگ خدا کی راہ میں شہید کئے گئے انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا۔ بلکہ وہ لوگ جیتے جاگتے موجود ہیں۔ اور اپنے پروردگار کے یہاں سے ہر طرح کی روزی پاتے ہیں۔ ۔ "

اور میرے شفاف آنسو زمین پر گر گر کر میلے ہو رہے تھے۔

علم و ادب کے فروغ میں جو ادارے "آنکھ مچولی" سے تعاون کر رہے ہیں۔ ان کی تعداد بے شمار ہے۔ اس صفحے پر ہم صرف اُن بڑے ایجنٹس کی فہرست دے رہے ہیں، جن کی کوششوں سے ماہنامہ آنکھ مچولی پاکستان کے دُور دراز علاقوں تک بڑی تعداد میں پہنچتا ہے۔

آنکھ مچولی کے ایجنٹس

پاکستان بھر میں

محمد حسین برادرز۔ کراچی فون:- ۷۲۳۹۵۵

سلطان نیوز ایجنسی۔ لاہور فون:- ۵۸۲۴۹

ملک تاج محمد صاحب۔ راولپنڈی فون:- ۵۵۴۳۲۱ / ۸۴۷۹۸۶

مہران نیوز ایجنسی۔ حیدر آباد فون:- ۲۰۱۲۸

افضل نیوز ایجنسی، چوک یادگار، پشاور فون:- ۶۲۵۱۵ / ۶۲۷۵۱

اے ایس حامد نیوز پیپر سروس، ملتان فون:- ۴۳۳۱۰ / ۴۱۷۵۷

فیاض بک ڈپو۔ فیصل آباد فون:- ۲۷۴۰۶

سعید بک اسٹال۔ گجرات فون:- ۰۴۳۳۱

سلمان برادرز۔ نواب شاہ فون:- ۲۴۱۴

یونائیٹڈ بک ایسنڈ۔ سکھر

پاکستان اسٹینڈرڈ بک اسٹال۔ گودھا فون:- ۶۲۹۵۱

کیپٹل نیوز ایجنسی۔ بہاولپور فون:- ۲۹۵۷

طاہر نیوز ایجنسی۔ جہلم فون:- ۰۵۹۴۱

چوہدری امانت علی اینڈ سنز۔ رحیم یار خان فون:- ۲۶۲۶

وہاڑی نیوز ایجنسی۔ ریل بازار وہاڑی

اسلم نیوز ایجنسی۔ اخبار گھر۔ گوجرانوالہ

اشرف نیوز ایجنسی۔ بالمقابل جی ٹی ایس بس اسٹینڈ۔ اوکاڑہ

مسلم بک ڈپو۔ سرائے عالمگیر

ایم۔ ایم ٹریڈرز۔ کوئٹہ

رسالہ نہ پہنچنے کی صورت میں یا بروقت نہ ملنے پر مندرجہ ذیل پتے پر خط لکھئے

سرکولیشن مینیجر

"ماہنامہ آنکھ مچولی" ڈی ۱۱۲، نورس روڈ، سائٹ کراچی ۱۶

ننھّی نگارشات

نوخیز قلم کاروں کی مختصر تحریروں سے انتخاب

ایک ضروری بات

ادارہ آنکھ مچولی نے بارہا اپنے لکھنے والوں سے درخواست کی ہے کہ وہ نقل شُدہ تحریروں کے بجائے ہمیں اپنی ذاتی تحریریں بھجوائیں۔ خواہ وہ کتنی ہی کمزور کیوں نہ ہوں، لیکن بار بار کی یاد دہانیوں کے باوجود بھی بعض ساتھی ہمیں دوسروں کی تحریریں اپنے نام سے بھجوا دیتے ہیں۔ ایسا کرنا بددیانتی بھی ہے اور تکلیف دہ عمل بھی۔ نقل شدہ تحریریں بھجوانے کے اس منفی رجحان کو روکنے کے لیے ہم اپنے قارئین ساتھیوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ تمام تحریریں بغور پڑھیں اور اگر چوری کی ہوئی یا نقل شُدہ کوئی تحریر دیکھیں تو براہِ کرم فوراً اس کی نشاندہی کریں۔ چوری کی تحریریں بھجوانے والوں کے لیے ہمیں مجبوراً "بلیک لسٹ" کا ایک سلسلہ شروع کرنا پڑ رہا ہے۔ یہ گویا ایک چھوٹی سی سزا ہے۔ جو ساتھی بھی ہمیں نقل شُدہ تحریر بھجوائے گا ہم اُس کا نام اور پتہ "بلیک لسٹ" میں شائع کیا کریں گے۔ نہ صرف یہ بلکہ "آنکھ مچولی" میں آئندہ ان کے نام سے کبھی کوئی تحریر شائع نہ ہو سکے گی۔ (بلیک لسٹ "ننھی نگارشات" کے آخری صفحے پر دیکھیے۔)

نعت

رسولِ مقبولؐ

محمد اکرم سیالوی، وکیل والا

ہمارے دلوں کے سہارے محمدؐ
نہ کیوں جان و دل سے ہوں پیارے محمدؐ

خدا نے بلایا اُنھیں آسماں پر
بڑی شان والے ہمارے محمدؐ

ہمارے دلوں کے سہارے محمدؐ
نہ کیوں جان و دل سے ہوں پیارے محمدؐ

غریبوں یتیموں کے کام آنے والے
ہیں دُکھیا دلوں کے سہارے محمدؐ

بے درد مسیحا

ضرغام راجہ

"آج آپ نے بہت دیر کر دی"۔ بیگم نسیم ڈاکٹر نسیم کے ہاتھوں سے بریف کیس لیتے ہوئے بولیں۔

"ہاں آج ہماری یونین کی میٹنگ تھی"۔ ڈاکٹر نسیم ٹائی کی گرہ ڈھیلی کرتے ہوئے بولے۔ "یونین کی میٹنگ... کیوں؟" بیگم نسیم نے پوچھا۔

"ہمارے کچھ مطالبات ہیں جو ہم حکومت کو پیش کرنے والے ہیں"۔

"مطالبات اور آپ کے... مگر آپ تو اپنے آپ کو مسیحا

کہتے ہیں:

"بھئی ہم بھی انسان ہیں... ہماری بھی ضروریات ہیں۔ اب حکومت ہمیں دیہی علاقوں میں بھیجنا چاہتی ہے... آخر ہم کیوں جائیں دیہی علاقوں میں، یہاں شہر میں ہمارا خاندان ہے... ہمارے بچے ہیں۔" ڈاکٹر نسیم بولے۔

"آپ کو صرف اپنے لئے نہیں بلکہ ان لوگوں کے لئے بھی سوچنا چاہیئے۔ جو کہ اس ترقی یافتہ دور میں مناسب علاج معالجہ کی سہولت نہ ہونے کی وجہ سے مر جاتے ہیں۔" بیگم نسیم نے کہا۔

"آخر ہم ڈاکٹرز نے تو سب کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا۔ حکومت کو ان کا کوئی دوسرا انتظام کرنا چاہیئے۔" ڈاکٹر نسیم بولے۔

"مگر آپ لوگوں کو کچھ تو احساس کرنا چاہیئے۔"

"ارے چھوڑو ان باتوں کو یہ بتاؤ لبنیٰ سو گئی؟" ڈاکٹر نسیم بولے۔

"نہیں ابو... میں تو اتنی دیر سے یہاں کھڑی آپ دونوں کی گفتگو سن رہی تھی۔" دروازے میں کھڑی چار سالہ لبنیٰ بولی۔

ڈاکٹر نسیم ایک متوسط گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے والد ایک سرکاری دفتر میں کلرک تھے۔ چار بہنوں کے وہ اکلوتے بھائی تھے۔ ان کی پیدائش کے وقت ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ بہنوں نے ڈاکٹر نسیم کی پرورش کی۔ ڈاکٹر نسیم بچپن ہی سے بڑے ذہین تھے۔ ہمیشہ اپنی کلاس میں فرسٹ آتے۔ میٹرک میں انہوں نے سارے صوبے میں ٹاپ کیا۔

میڈیکل کالج میں داخلے کے بعد تو ڈاکٹر نسیم نے پڑھائی میں دن رات ایک کر دیئے اور آخر اس کا نتیجہ شاندار نکلا اور نسیم ڈاکٹر نسیم بن کر میڈیکل کالج سے نکلے۔ پھر انھوں نے سرکاری اسپتال میں نوکری کر لی۔ کچھ روز کے بعد ڈاکٹر نسیم کے والد کا انتقال ہو گیا۔ دو بہنیں شادی کے بعد اپنے سسرال چلی گئیں۔ ڈاکٹر نسیم نے بھی شادی کر لی۔ اور اب ان کی ایک چار سالہ خوبصورت بچی لبنیٰ تھی۔ جسے ڈاکٹر نسیم اپنی جان سے زیادہ پیار کرتے تھے۔

"کیا بات ہے آج خلاف توقع بہت جلد آ گئے۔" بیگم نسیم نے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں... حکومت نے ہمارے مطالبات ماننے سے انکار کر دیا لہٰذا ہم ڈاکٹرز نے ہڑتال کر دی۔" ڈاکٹر نسیم بولے۔

"ہڑتال اور ڈاکٹرز نے...؟" بیگم نسیم حیرت سے بولیں۔

"کیوں ڈاکٹرز انسان نہیں ہوتے؟" ڈاکٹر نسیم نے کہا۔

"کیوں نہیں ڈاکٹرز بھی انسان ہوتے ہیں۔ ان کو بھی آسائش و سہولتیں مہیا ہونی چاہئیں مگر ان کو حاصل کرنے کے لئے ہڑتال کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ نہ جانے آپ کے پیچھے آپ کے مریضوں پر کیا گزر رہی ہوگی۔"

"گزر رہی ہے تو گزرے۔ ہم نے ہر مریض کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا۔" ڈاکٹر نسیم بولے۔ بیگم نسیم نے خاموشی ہی بہتر سمجھی۔

"بیگم صاحب... بیگم صاحب... لبنیٰ بی بی سیڑھیوں سے گر پڑیں۔" نوکرانی نے آ کر بیگم نسیم کو اطلاع دی۔

"کیا۔" بیگم نسیم دھک سے رہ گئیں۔ جلدی سے لبنیٰ کو کار میں ڈالا اور اسپتال پہنچیں۔ لبنیٰ کی حالت بہت خراب تھی۔ اس کے سر پر سخت چوٹ آئی تھی۔

"سنو... سنو... ڈاکٹر نسیم کہاں ہیں؟" بیگم نسیم نے ایک وارڈ بوائے سے پوچھا۔

"بی بی... تمام ڈاکٹرز ہڑتال پر ہیں۔" وارڈ بوائے بولا۔

"میں ڈاکٹر نسیم کی بیوی ہوں... یہ بیگم نسیم چیخیں مگر اتنی دیر میں وارڈ بوائے آگے بڑھ چکا تھا۔ بیگم نسیم پریشانی کی حالت میں سارے اسپتال میں گھومتی ہیں مگر کسی نے ان کی

نہ سنی۔ آخر ایک نرس نے ان کی پریشانی سمجھتے ہوئے اُنہیں اس کمرے کا پتا بتایا جہاں ڈاکٹرز کی میٹنگ ہو رہی تھی۔ بیگم نسیم بھاگتی ہوئی اس کمرے تک پہنچی مگر وہاں موجود چوکیدار نے اُنھیں اندر نہ جانے دیا۔ ننھی لبنیٰ تڑپتی رہی... سسکتی رہی... بالآخر وہ سسکتے سسکتے زندگی کی حدود سے دُور چلی گئی۔ وہ ڈاکٹر جو مسیحا ہوتے ہیں جو بیماروں کو صحت و زندگی دیتے ہیں۔ ان ہی ڈاکٹروں کی بے حسی نے ننھی لبنیٰ کو زندگی سے دُور کر دیا۔ بیگم نسیم پر تو جیسے غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، لیکن پھر بھی انہوں نے ہمت سے کام لیا۔ اور لبنیٰ کی لاش لے کر گھر آگئیں۔

بیگم.... بیگم...۔ ڈاکٹر نسیم خوشی سے چیختے ہوئے گھر میں داخل ہوئے "آخر ہم کامیاب ہوگئے۔ حکومت نے ہمارے مطالبات منظور کر لئے۔ آخر ہماری ہڑتال کامیاب رہی... تم کہتی تھیں کہ ہڑتال نہ کرو... ہڑتال ہی آج کا موثر ترین ہتھیار ہے۔ ڈاکٹر نسیم جو اپنی بیوی کے تقریباً پیچھے پیچھے ہی گھر میں داخل ہوئے تھے۔ جوش میں بولے جا رہے تھے۔ مگر جب انہوں نے اپنی بیگم کے چہرے پر پھیلی ہوئی ویرانی کو دیکھا تو اُن کا دِل دھڑکا۔ انہیں لبنیٰ کہیں نظر نہ آئی تو انہوں نے اپنی بیگم سے پوچھا "اندر کمرے میں ہے" بیگم نسیم بولیں۔

"کیوں طبیعت تو ٹھیک ہے نا اُس کی" ڈاکٹر نسیم گھبرا کر بولے اور دوڑتے ہوئے لبنیٰ کے کمرے میں پہنچے مگر پھر ٹھٹھک کر رُک گئے۔ سامنے ان کے تمام رشتے دار بیٹھے تھے اور ان کے درمیان سفید کپڑے میں بیٹی لبنیٰ کی لاش رکھی تھی۔ ڈاکٹر نسیم چیختے ہوئے لبنیٰ کی لاش سے لپٹ گئے۔

"یہی ہے تمہاری ہڑتال کا انعام ڈاکٹر نسیم!... یہی ہے تمہاری ہڑتال کا نتیجہ... میں تین گھنٹے تک اس ننھی سی جان کو لئے اسپتال میں دوڑتی رہی مگر کسی نے میری نہ سُنی... جب انسان کے اپنے اوپر گزرتی ہے تو اُسے احساس ہوتا ہے... تمہاری اس ہڑتال نے نہ جانے کتنی معصوم لبناؤں کی جان لی ہوگی۔

"تم... تم قاتل ہو... قاتل ہو..." بیگم نسیم چیختے چیختے بے ہوش ہوگئیں۔

"تم ٹھیک کہتی ہو بیگم... میں واقعی قاتل ہوں... میں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی بیٹی... اپنی اکلوتی بیٹی کو مار ڈالا... مار ڈالا" ڈاکٹر نسیم روتے ہوئے بولے اور انھوں نے اپنا سر لبنیٰ کے سفید کفن پر رکھ دیا۔ جواب کبھی ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر انہیں پیار نہ کر سکے گی۔

احسان شناسی

محمد مبین سحر۔ ملیر کراچی

حضرت سعید بن عاصؓ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں ایک آدمی کے مکان کے پاس سے گزرے اور صاحب خانہ سے پانی مانگا۔ گھر والوں نے ان کو پانی پلایا۔ اس واقعہ کے کچھ عرصے بعد حضرت سعید بن عاصؓ پھر اسی مکان پر گئے دیکھا کہ ایک شخص اس مکان کو نیلام کرنے کے لئے بولی لگا رہا تھا یہ دیکھ کر سعید بن عاصؓ نے اپنے نوکر سے کہا کہ "تم جا کر دریافت کرو کہ وہ یہ مکان کیوں فروخت کر رہا ہے۔" نوکر نے جا کر دیکھا کہ مالک مکان کے پاس اس کا قرض خواہ بیٹھا ہوا ہے۔ نوکر نے دریافت کیا کہ "تم اپنا مکان کیوں فروخت کر رہے ہو؟" مالک مکان نے بتایا کہ "اس آدمی کا میرے ذمے چار ہزار دینار قرض باقی ہے میرے پاس رقم نہیں ہے کہ ادا کر سکوں۔" حضرت سعید بن عاصؓ نے جب نوکر سے یہ ماجرا سنا تو خود گئے اور ان دونوں سے بات چیت کر کے نوکر سے کہا تھیلی لاؤ اور قرض خواہ کو چار ہزار دینار دے کر باقی رقم صاحب مکان کو دے دو اور وہ یہ کہہ کر وہاں سے رخصت ہو گئے۔ (حوالہ۔ سیارہ ڈائری ۱۹۸۲ء)

"ندامت"

عدنان ادریس۔ کراچی

پوری جماعت چپ چاپ بیٹھی احمد صاحب کے منہ

کو تک رہی تھی۔ کئی لڑکے ایسے تھے جن کے دل بیٹھے جارہے تھے۔ چہروں پر مردنی سی چھائی ہوئی تھی۔ احمد صاحب نے پرچوں کا بنڈل کھولا اور پھر اسے ترتیب وار لگانے لگے اب لڑکے ایک دوسرے کو عجیب نظروں سے دیکھنے لگے "اب کیا ہوگا؟" سب کی نظروں میں یہی سوال تھا۔

ہر ایک کے دل کی آواز گویا یہی تھی۔ "اے کاش اس کے نمبر سب سے زیادہ آجائیں۔" لیکن فیصلہ ہونا ابھی باقی تھا۔

"رفیق احمد۔" یکایک احمد صاحب کی گرجدار آواز نے اس گہری خاموش کو توڑا۔ رفیق کپکپاتا ہوا ڈسیک سے اٹھا اور احمد صاحب کے پاس جا کھڑا ہوا۔

"نالائق یہ لو پچاس میں سے صرف دس نمبر" احمد صاحب نے اسے پرچہ واپس کرتے ہوئے کہا۔ بقیہ تمام لڑکوں کے چہروں پر ایک دم زردی چھاگئی۔

"رشید۔ یہ بھی گدھا ہے نو نمبر" "عامر۔ سات نمبر" "پرویز۔ آٹھ نمبر" "شوکت۔ گیارہ نمبر" لڑکوں کے دلوں نے اب بری طرح دھڑکنا شروع کر دیا۔ احمد صاحب کی آواز دور کہیں کنویں سے آتی ہوئی محسوس ہورہی تھی۔ ششماہی امتحان ختم ہوچکے ہیں اس مرتبہ حساب کا پرچہ بہت مشکل آیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قابل لڑکوں کے نمبر بھی کم ہی آرہے تھے اور کمزور لڑکوں کی تو حالت پتلی تھی۔

"احسن" احمد صاحب نے جماعت کے سب سے ناکارہ اور کمزور طالب علم کو پکارا احسن نے گھبرا کر احمد صاحب کی طرف دیکھا اور مرے مرے قدم اٹھاتا ہوا ان کے پاس پہنچا "جانتے ہو کتنے نمبر ہیں تمہارے؟" احمد صاحب نے مسکرا کر کہا۔

"جی نہیں"

"انچاس"

"سر میرے انچاس نمبر" احسن کو سکتہ سا ہوگیا۔

"ہاں بھئی تمہارے۔ ادھر آؤ تمہیں شاباش دوں" احمد صاحب نے اسے مبارکباد دینے کے بعد پوری کلاس سے کہا "تم سب بالکل نکمے ہو۔ دیکھو تمہارے ساتھی نے اتنے اچھے نمبر حاصل کئے ہیں یقیناً اس نے محنت کی ہوگی اور تم فیل ہوگئے شرم آنی چاہئے تمہیں۔ احسن سے سبق حاصل کرو۔" تفریح میں تو تمام لڑکے احسن سے چمٹ ہی گئے اسے مبارکباد دینے والوں کی تعداد سے زیادہ حیرت زدہ ہونے والوں کی تعداد تھی۔ ایک انتہائی کمزور لڑکا جماعت میں اول آجائے۔ لڑکے ہر بات میں اس کی مثال دیتے۔

مگر یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی احسن ہر وقت چپ چاپ، پریشان رہنے لگا۔ جب دیکھو بیٹھا ہوا ہے کچھ نہ کچھ سوچ رہا ہے۔ نہ جانے کیا کیا؟ دوستوں نے بار بار پوچھا مگر احسن ہے کہ اسی طرح اداس بیٹھا ہے۔ سب کے درمیان سرگوشیاں ہونے لگیں۔ اتنا شرارتی طالبعلم اس قدر کم گو کیسے ہوگیا؟ آہستہ آہستہ لڑکوں میں چہ میگوئیاں ہونی شروع ہوگئیں۔ کسی شریر لڑکے نے کہا "فلسفی ہوگیا ہے" اور دوسرا لڑکا آواز کستا۔ "تصویر کا دوسرا رخ ہے بھئی" غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔

لیکن باوجود ان سب باتوں کے مجال ہے احسن کسی کو کچھ کہہ دے یہ وہی احسن تھا جو ذرا ذرا سی بات پر لڑکوں سے لڑنے کے لئے آمادہ ہوجاتا تھا۔

آہستہ آہستہ لڑکے احسن کے اس نئے روپ سے مطمئن ہوگئے اور انہوں نے اس کے متعلق سوچنا چھوڑ دیا اور پھر وہ احسن کی زندگی کا سب سے اچھا دن تھا جب کہ وہ ہیڈ ماسٹر کے کمرے میں جس میں اس وقت تمام اساتذہ تشریف رکھتے تھے داخل ہو کر ادب سے کھڑا ہوگیا۔ سب اساتذہ کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں۔

"کیا بات ہے بیٹا؟" ہیڈ ماسٹر صاحب نے پوچھا۔

احسن خاموش رہا۔

"کیسے آئے ہو احسن" احمد صاحب نے دوبارہ سے پوچھا۔

"جی۔ میں" وہ جھجک رہا تھا۔

"ہاں ہاں۔ کہو" احمد صاحب بولے۔

"مجھے معاف کر دیجئے سر" احسن یہ کہتے ہوئے رونے لگا اور ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوگیا "ارے ارے کیا ہے..... کیا غلطی کی ہے تم نے" احمد صاحب گھبرا کر کھڑے ہوگئے "جی وہ ....." کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد احسن نے رک رک کر کہنا شروع کیا "ششماہی امتحان میں حساب کے پرچے میں، میں نے کتاب سے نقل کی ہے بہت سے سوالوں کے حل میں نے اپنی قمیص کی آستین میں چھپا کر لایا تھا اسی لئے میرے نمبر سب سے زیادہ ہیں" احمد صاحب یہ سنتے ہی کچھ سوچتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گئے اور احسن برابر کہتا رہا۔

"خدا کے لئے مجھ سے ناراض نہ ہوں میں پہلے ہی بہت شرمندہ ہوں میں کسی سے آنکھ نہیں ملا سکتا لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اب میں بدل چکا ہوں۔ سب لڑکے مجھے اچھا سمجھنے لگے ہیں مجھے فکر ہوئی کہ آئندہ سالانہ امتحان میں اگر میں فیل ہوگیا تو میرا پول کھل جائے گا اور مجھے ذلیل ہونا پڑے گا۔ لڑکوں کے سامنے ذلیل ہونے سے بہتر ہے کہ میں آپ کے سامنے ذلیل ہوجاؤں۔ لڑکے ہر ایک سے کہتے پھریں گے لیکن آپ مجھے معاف کر دیں گے اور کسی سے نہیں کہیں گے۔ میں نے پچھلے چند مہینوں میں بہت محنت کی ہے مجھے امید ہے کہ میں کسی مضمون میں فیل نہ ہوں گا۔"

اتنا کہہ کر احسن خاموش ہوگیا۔ کمرے پر ایک گہری خاموش چھائی ہوئی تھی۔ سب اساتذہ چپ بیٹھے احسن کو آنسو بہاتے دیکھ رہے تھے۔ یکایک احمد صاحب نے اٹھ کر احسن کو گلے لگایا اور بولے "تم واقعی بہت اچھے لڑکے ہو تم نے غلطی مان لی۔ یہ تمہارا وہم ہے کہ تم ہماری نظروں میں گرے ہو بلکہ اس طرح اپنا قصور مان لینے سے تمہاری عزت ہماری نگاہوں میں اور بڑھ گئی ہے۔ میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں کہ تمہاری اس غلطی نے تمہیں ہمیشہ کے لئے برباد ہونے سے بچالیا۔ نہ تم غلطی کرتے، نہ آج اتنی محنت کرتے۔ تم سالانہ امتحان میں ضرور اچھے نمبروں سے پاس ہوگے۔ آنسو پونچھو کلاس میں جاؤ ہم کسی لڑکے کو یہ بات نہیں بتائیں گے۔"

اور احسن نے جو کہا وہ کر دکھایا وہ سالانہ امتحان میں تمام مضامین میں اچھے نمبروں سے پاس ہوگیا اب وہ پہلے جیسا احسن تھا۔ شوخ و چنچل وہی ہنسی۔ وہی مذاق لیکن اب اس نے اپنے ہم جماعتوں سے لڑنا چھوڑ دیا تھا طالبعلموں میں اس کی عزت روز بروز بڑھتی جارہی تھی کتنا خوش نصیب تھا وہ۔

ارسطو

یاسر امتیاز

ارسطو کو بابائے سیاسیات تسلیم کیا جاتا ہے۔ وہ

۳۸۴ء قبل مسیح میں یونان کی ریاست مقدونیہ میں پیدا ہوا۔ اس کا والد مقدونیہ کے بادشاہ امنتاس کا درباری طبیب تھا۔ ارسطو نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ علوم فطری سے متعلق اہم معلومات اپنے باپ سے حاصل کیں۔ ۳۶۷ء قبل مسیح میں حصول علم کی غرض سے ایتھنز چلا آیا۔ جو اس زمانے میں علم و دانش کا مرکز تھا۔ ۱۷ برس کی عمر میں افلاطون کی شاگردی اختیار کی اور متواتر ۲۰ برس تک افلاطون سے علم حاصل کرتا رہا افلاطون کی وفات کے بعد ارسطو ۱۲ برس تک مختلف شہروں میں گھوم کر علم کی روشنی پھیلاتا رہا۔ ارسطو کے شاگردوں میں نامور فاتح سکندر اعظم بھی شامل تھا۔ سکندر اعظم کے دور میں ارسطو نے اپنا مشہور مکتب قائم کیا۔ جسے "مکتب مشّائین" کہا جاتا تھا۔ دراصل لفظ (مشائی) مشی سے نکلا ہے۔ اور مشی کے معنی ٹہلنا ہیں۔ ارسطو بھی اپنے استاد افلاطون کی طرح شاگردوں کو ٹہلتے ہوئے تعلیم دیتا تھا۔ لہٰذا اس کے مکتب کو مکتب مشّائین کہا جانے لگا۔ ارسطو بڑا حقیقت پسند فلسفی تھا۔ اس نے فلسفہ و سیاسیات اور کئی دوسرے علوم پر غور و فکر کر کے ایسی معلومات مہیا کیں جو آج بھی مختلف مدرسوں میں درس و تدریس کا حصہ ہیں۔

اس نے سیاست اور سائنس پر مستند کتابیں لکھیں۔ اس نے سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا کہ کائنات چار عناصر یعنی آگ، ہوا، مٹی اور پانی سے مل کر بنی ہے۔ ارسطو کی کل تصانیف کی صحیح تعداد ۱۲۰ ہے۔ ۳۲۳ قبل مسیح میں سیاسی اختلافات کی بنا پر ارسطو کو وطن چھوڑنا پڑا اور جلاوطنی کی حالت میں اس عظیم یونانی فلسفی نے ۳۲۲ قبل مسیح میں وفات پائی۔ لیکن ہزاروں برس گزرنے کے باوجود ارسطو آج بھی دنیا بھر میں اسی عزت و احترام سے یاد کیا جاتا ہے جس احترام سے وہ اپنی زندگی میں یاد کیا جاتا تھا۔

شہروں کے شہر

مرسلہ۔ صالح محمد ضیاء ..... کراچی

۱۔ قبروں کا شہر _____ احمد آباد

۲۔ روشن دانوں کا شہر _____ حیدر آباد

۳۔ فلک بوس عمارتوں کا شہر _____ نیویارک

۴۔ بازاروں کا شہر _____ قاہرہ

۵۔ فولاد کا شہر _____ پیٹرس برگ

انسان

مرسلہ:۔ مشتاق خان نرتوپہ ضلع اٹک

۱۔ انسان کا دماغ مرنے کے بعد دس منٹ تک زندہ رہتا ہے۔

۲۔ انسان کے کان مرنے کے بعد ایک گھنٹے تک زندہ رہتے ہیں۔

۳۔ انسانی جسم میں موجود توانائی کو اگر برقی توانائی میں تبدیل کیا جائے تو اس سے ۶۰ وولٹ کا بلب دو منٹ تک روشن کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ انسانی جسم میں اتنی حرارت ہے کہ اس سے چائے کی تین پیالیاں تیار کی جا سکتی ہیں۔

۵۔ انسان کے جسم میں اتنی چربی ہے کہ اس سے صابن کی پاؤ پاؤ کی سات ٹکیاں بن سکتی ہیں۔

۶۔ انسانی جسم میں اتنا فولاد پایا جاتا ہے کہ اس سے اوسط درجے کے ساٹھ کیل تیار کئے جا سکتے ہیں۔

۷۔ جوان آدمی کے جسم میں اتنا فاسفورس ہوتا ہے کہ اس سے دیا سلائی کی دو ہزار تیلیاں تیار کی جا سکتی ہیں۔

۸۔ تندرست انسان کے جسم میں اتنا کاربن ہے کہ اس سے ساڑھے آٹھ ہزار پنسلیں تیار کی جا سکتی ہیں۔

۹۔ انسانی چھینک کی رفتار ایک سو میل فی گھنٹہ ہے۔

۱۰۔ انسانی جسم میں خون کا ایک قطرہ پچاس سال میں تقریباً ۲۰ ہزار میل سفر طے کر سکتا ہے۔

آخری خواہش

شاہد اقبال۔ گوجرانوالہ

حسب معمول مالی بابا نے صبح صبح خوبصورت رنگین پھولوں کا گل دستہ بنایا اور فرح بیٹی کے کمرے کی طرف جانے لگے مگر بڑے صاحب کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے ٹھٹھک کر رک گئے۔ بڑے صاحب سیٹھ جلال دین ٹیلی فون پر کسی سے باتیں کر رہے تھے۔ ان باتوں کی وجہ سے ہی مالی بابا کو رکنا پڑا تھا۔ اب وہ کھڑکی سے لگے سیٹھ جلال دین کی باتیں سننے کی کوشش کرنے لگے..... لمحہ بہ لمحہ ان کی آنکھیں حیرت و خوف سے پھیلنے لگیں۔

مالی بابا عمر رسیدہ آدمی تھے۔ باغبانی کا کام کرتے ہوئے ان کو ایک عرصہ ہو گیا تھا۔ سیٹھ جلال کے گھر ملازمت کرتے ہوئے ان کو قریباً ڈیڑھ سال ہو گیا تھا۔

اس عرصے میں انہیں سیٹھ صاحب کی چھوٹی بیٹی فرح سے بہت پیار ہو گیا تھا۔ فرح بھی مالی بابا سے بے حد محبت کرتی تھی۔ اس نے تو مالی بابا کو پڑھنے لکھنے کے قابل بھی بنا دیا تھا۔ تھوڑا بہت تو مالی بابا پہلے ہی پڑھے ہوئے تھے باقی کام فرح نے کر دیا گویا پودے کو پانی دیکر درخت کی شکل دے دی تھی۔

اپنی محبت کے اظہار کے طور پر مالی بابا ہر روز فرح کو اپنے ہاتھ سے لگائے ہوئے باغ میں سے خوبصورت پھولوں کا تحفہ دیا کرتے تھے۔ تیرہ سالہ ننھی فرح بھی ہر روز بستر پر مالی بابا کی منتظر ہوتی تھی اس وقت بھی مالی بابا اپنی بیٹی فرح کے لئے پھولوں کا گلدستہ لے کر جا رہے تھے کہ ان کو رک جانا پڑا۔

سیٹھ جلال دین کسی سے کہہ رہے تھے۔

"دیکھو۔ جگو آئندہ کبھی گھر کے ٹیلی فون پر رپورٹ نہ کرنا۔ ورنہ.....

پہلی غلطی ہے اس لئے معاف کئے دیتا ہوں۔ اور سنو! تمام مال پوائنٹ ون سے نکال کر پوائنٹ فور میں پہنچا دو۔ پوائنٹ ون پولیس کی نظروں میں آ گیا ہے۔ یہ کام ابھی اور اسی وقت ہونا چاہئے ورنہ ہم سب جیل میں ہوں گے..... ہاں ٹھیک ہے....." یہ کہہ کر سیٹھ جلال دین نے فون بند کر دیا۔

کھڑکی سے لگے مالی بابا جیسے ساکت ہو کر رہ گئے تھے۔ انکی آنکھوں کے سامنے اندھیرے رقص کر رہے تھے۔ ان کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

سیٹھ جلال دین۔ جو ملک کے معزز شہری اور نامور سماجی کارکن خیال کئے جاتے تھے۔ پانچ وقت کے نمازی اور پرہیز گار انسان تھے۔ کیا اتنے گھناؤنے روپ کے مالک ہیں۔ نہیں..... نہیں..... یہ نہیں ہو سکتا۔

مالی بابا سوچ رہے تھے۔ پھولوں کا گل دستہ زمین پر بکھر گیا تھا۔ وہ بوجھل قدموں سے واپس ہو لئے۔ عین اسی لمحے سیٹھ جلال دین نے ان کو دیکھ لیا۔ ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے مالی بابا کی حالت دیکھ کر ان کو یقین ہو گیا کہ وہ ان کے اصل کردار سے آشنا ہو چکے ہیں۔ اور یہ صورت حال ان کے لئے ان کی زندگی کے لئے اور ان کے مستقبل کے لئے بے حد خطرناک تھی۔ تب ایک بھیانک اور ہولناک فیصلہ سیٹھ جلال دین نے کیا مالی بابا کو ختم کرنے کا فیصلہ۔ ان کی زندگی کا چراغ گل کرنے کا فیصلہ۔ انہوں نے جلدی سے بے آواز ریوالور خفیہ الماری سے نکالا اور تیزی سے مالی بابا کے کوارٹر کی طرف بھاگے۔ مالی بابا کا کوارٹر باغیں باغ کے اندر ہی تھا۔

آہٹ پا کر مالی بابا نے چونک کر عقب میں دیکھا تو ایک طنزیہ مسکراہٹ ان کے چہرے پر رینگ گئی۔ سیٹھ جلال دین ریوالور ہاتھ میں لئے قہر آلود نظروں سے ان کو گھور رہے تھے۔

"اس حرکت سے مجھے یقین ہوگیا ہے کہ واقعی آپ مجرم ہیں۔ افسوس! آپ نے زندگی گزارنے کا غلط راستہ چنا ہے۔ اگر آج مجھے علم ہوگیا ہے تو کل کو ممکن ہے آپ کی بیٹی کو آپ کا اصل روپ نظر آجائے تو کیا آپ اپنی بیٹی کو بھی قتل کر دیں گے؟؟"

"بکواس مت کرو۔ مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ میں اپنی زندگی کے لئے کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔" سیٹھ جلال کا لہجہ پھاڑ کھانے والا تھا مالی بابا کے چہرے پر موت کی سفیدی چھاگئی۔ اچانک ان کی آنکھوں میں بجلی سی چمکی۔ انہوں نے فوراً ہاتھ جوڑ دیئے: "مجھے مارنا ہی ہے تو میری آخری خواہش پوری کر دیں۔ میں آخری بار اپنے ہاتھوں سے پودوں کے چند بیج بونا چاہتا ہوں۔ تاکہ میری کوئی حسرت نہ رہے۔" ان کا لہجہ رو دینے والا تھا سیٹھ جلال دین نے چند لمحے غور کیا پھر مالی بابا کو آخری خواہش پوری کرنے کی اجازت دے دی مالی بابا کانپتے ہوئے کیاری میں بیج ڈالنے لگے۔

قریباً دو ہفتے بعد اچانک پولیس نے چھاپا مار کر سیٹھ جلال دین کو مالی بابا کے قتل کے جرم میں گرفتار کر لیا۔ سیٹھ جلال دین بے حد حیران اور پریشان تھے انہوں نے تو پیچھے کوئی ثبوت نہ چھوڑا تھا۔ ان کی حیرانی دیکھ کر فرح آگے بڑھی اور بولی:

"ابو جان۔ معاف کیجئے گا آپ نے مالی بابا کو قتل تو کر دیا مگر خدا کو بھول گئے جو انصاف کرنے والا ہے مالی بابا نے مرتے وقت جو بیج بوئے تھے وہ آپ کے نام کی ترتیب سے بوئے تھے جب میں چند دن بعد باغ میں گئی تو چند پودے "قاتل جلال" کی ترتیب سے اگے ہوئے تھے جو آپ کے جرم کا ثبوت ہے اور خفیہ المدی سے آپکا ریوالور بھی مل گیا۔" سیٹھ جلال کا سر جھک گیا۔ ہمیشہ کے لئے ..... "اور مجھے خوشی ہے کہ میری وجہ

سے ملک کا ایک مجرم پکڑا گیا۔ نفرت ہے مجھے اپنے وجود سے" یہ کہہ کر فرح نے منہ پھیر لیا۔ اس کی آنکھوں سے برسات جاری تھی۔ اسکے ننھے سے دل میں دو دکھوں کا ڈیرا تھا۔

تتلی کا وطن

مرسلہ۔ منیزہ نور

خوشبو خوشبو آنگن آنگن میرا گھر ہے گلشن گلشن
شاخ شاخ پر مہکے مہکے پھول کھلے ہیں رنگ برنگے
جیسے ہیرا، جیسے موتی پھولوں کی رنگت ہے ایسی
اڑتی پھرتی اور لہراتی اپنی خوشی سے آتی جاتی
ڈالی ڈالی اڑتی پھرتی پھولوں پھولوں، تتلی تتلی
گھر میرا، میرا آنگن ہے گلشن میرا، میرا وطن ہے
دل کا ٹکڑا، جان سے پیارا اصل یہی گلشن ہے ہمارا
آن، ہماری شان ہماری قربان اس پر جان ہماری

دفتر ہیلتھ آفیسر زونل میونسپل کمیٹی (سینٹرل)
نوٹس

ہیلتھ ڈپارٹمنٹ زیڈ ایم سی (سی) کے مندرجہ ذیل ایس۔ ورکرز اپنی ڈیوٹیوں سے ان کے ناموں کے سامنے درج ذیل تاریخوں سے بغیر کسی اطلاع کے غیر حاضر ہیں۔ انہیں ڈیوٹی پر حاضر ہونے کے لئے نوٹسز اور شوکاز نوٹسز ارسال کئے گئے لیکن وہ اپنی ڈیوٹیوں پر حاضر ہونے میں ناکام رہے۔

نمبر شمار	نام	ایریا	غیر حاضری کا تاریخ
۱۔	عاشق ولد سردار	ایف بی ایریا بلاک۔ ۱۵	۹۰۔ ۲۔ ۲۲
۲۔	نظیر ولد نانک	ایف بی ایریا بلاک۔ ۳	۹۰۔ ۲۔ ۲۳

مذکورہ بالا ایس ورکرز کو بذریعہ ہذا ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ نوٹس ہذا کی تاریخ اشاعت سے ۱۰ یوم کے اندر اندر اپنی ڈیوٹیوں پر حاضر ہو کر چارج کی جوابدہی کریں بصورت دیگر مزید نوٹس دیئے بغیر یکطرفہ فیصلہ صادر کیا جائے گا جس کے نتیجے میں انہیں ملازمت سے برطرف بھی کیا جا سکتا ہے۔

دستخط ہیلتھ آفیسر زیڈ ایم سی (سی)

INF / KRY — 2585

نوٹس طلبی ٹینڈرز

سال ۹۰۔ ۱۹۸۹ء کے دوران مندرجہ ذیل کاموں کے لئے ڈائریکٹوریٹ ہذا کے منظور شدہ ٹھیکیداروں سے بی۔ ا فارموں پر سربمہر ٹینڈرز مطلوب ہیں۔

لوکیشن کا نام / ٹائٹل	تخمینی لاگت روپے	زر ضمانت روپے	مدت تکمیل
زیر فلڈ۔ بحالی کے کام کیٹگری نمبر ا موجودہ پرائمری اسکول کے لئے بلڈنگ کی تعمیر / دوبارہ تعمیر۔			
ا۔ ویلیج بچل شاہ میں ۲ کمروں والے پرائمری اسکول (بوائیز) بشمول ڈبلیو / ایس اور سینیٹری فٹنگ تعلقہ سجاول	= / ۲۸۰۵۰۰	= / ۵۶۱۰	۵ ماہ
۲۔ ویلیج عثمان سومرو میں ۲ کمروں والے پرائمری اسکول بشمول ڈبلیو / ایس اور سینیٹری فٹنگ تعلقہ سجاول	= / ۲۶۴۵۷۰	= / ۲۶۹۰	۵ ماہ
۳۔ غلام مصطفیٰ شاہ میں ۲ کمروں والے پرائمری اسکول (بوائز) بشمول ڈبلیو / ایس اور سینیٹری فٹنگ تعلقہ سجاول	= / ۲۶۵۶۰۰	= / ۵۳۱۲	۵ ماہ

۴۔ غلام مصطفیٰ شاہ میں ۲ کمروں والا پرائمری اسکول (گرلز) بشمول ڈبلیو / ایس اور سینیٹری فٹنگ تعلقہ سجاول	= / ۲۶۵۶۰۰	= / ۵۳۱۲	۵ ماہ
۵۔ ناڈو باران میں ۵ کمروں والے پرائمری اسکول (بوائز) بشمول ڈبلیو / ایس اور سینیٹری فٹنگ	= / ۷۳۱۹۸۰	= / ۱۴۶۴۰	۶ ماہ

کیٹیگری نمبر۲
معمولی کام

۶۔ جی۔ بی۔ پی۔ ایس صادق پنہوار تعلقہ سجاول بشمول ڈبلیو / ایس اور سینیٹری فٹنگ	= / ۷۲۷۶۰	= / ۱۴۶۰	۳ ماہ
۷۔ جی۔ بی۔ پی۔ ایس جمن سامون تعلقہ سجاول	= / ۲۰۲۴۰	= / ۴۱۰	۲ ماہ
۸۔ جی۔ بی۔ پی۔ ایس شعیب خان اودھی تعلقہ سجاول	= / ۹۸۷۰	= / ۲۰۰	۱ ماہ
۹۔ جی۔ بی۔ پی۔ ایس علی بخش جاکھرو تعلقہ سجاول	= / ۱۰۴۰۷۰	= / ۲۰۸۰	۳ ماہ
۱۰۔ جی بی۔ پی۔ ایس نور محمد باران بشمول ڈبلیو / ایس اور سینیٹری فٹنگ تعلقہ سجاول	= / ۶۳۲۴۰	= / ۱۲۷۰	۳ ماہ

ٹینڈر دستاویزات زیر دستخطی کے دفتر واقع نزد ماکلی ریسٹورنٹ ماکلی سے ۱۹۹۰۔ ۶۔ ۱۸ کو بطور ٹینڈر فیس صرف = / ۲۵ روپے (ناقابل واپسی) ادا کر کے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

ٹینڈر ۱۹۹۰۔ ۶۔ ۱۹ کو دوپہر ایک بجے تک بذریعہ زیر دستخطی یا اس کا مجاز نمائندہ واپس وصول کئے جائیں گے۔ ٹینڈر ۲ بجے دن بذریعہ زیر دستخطی موقع پر موجودگی کے خواہشمند بولی دہندگان یا ان کے مجاز نمائندوں کے روبرو کھولے جائیں گے۔ اگر زیر دستخطی ہیڈ کوارٹر سے باہر ہوئے تو ٹینڈر دوسرے کام کے روز دفتری اوقات کار کے دوران کھولے جائیں گے۔

سادہ ٹینڈر محکمہ ہذا کے ان منظور شدہ ٹھیکیداروں کو جاری کئے جائیں گے جو راوں تقدیمی سال کے لئے تجدید / درج فہرست کی رسید (فیس جمع کرا دی ہو) پیش کریں گے اور جو ٹینڈر کے لئے درخواست کے ہمراہ ٹینڈر اجراء سے قبل زر ضمانت فراہم کریں گے۔

الیکٹریکل ورک کے لئے ٹینڈرز صرف محکمہ ہذا کے ایسے منظور شدہ ٹھیکیداروں کو جاری کئے جائیں گے جو سال ہذا کے لئے تجدید شدہ الیٹکریکل کنٹریکٹرز لائنس کے حامل ہونگے۔

زر ضمانت رسیدی چالان، بنک ڈرافٹ وغیرہ کے شکل میں زیر دستخطی کے نام باقاعدہ منقول ہونی چاہئے اس سلسلے میں چیک یا نقد رقم قبول نہیں کی جائیں گی

مشروط ٹینڈر یا زر ضمانت کے بغیر ٹینڈروں پر غور نہیں کیا جائے گا۔ زیر دستخطی کوئی سبب بتائے بغیر تمام یا کسی بھی ٹینڈر کو قبول یا مسترد کرنے کے مکمل اختیارات کو محفوظ رکھتے ہیں۔

INF/KRY—2568

دستخط ایگزیکٹو انجینئر
ایجوکیشن ورکس ڈویژن ٹھٹھہ

پہلا میچ

محمد شہریار کراچی

جب سے میں نے ہوش سنبھالا گھر میں اتنی گہما گہمی دیکھی کہ مجھے گھر سے باہر نکل کر کھیلنے کا کبھی شوق نہیں ہوا۔ میری تنہائی اس وقت شروع ہوئی جب میری سب سے بڑی بہن کی شادی ہوئی۔ تھوڑے عرصے بعد میری دوسری آپی بھی اسی طرح چلی گئیں۔ میرے دونوں بھائی یکے بعد دیگرے باہر پڑھنے چلے گئے۔ اب صرف چھوٹی آپی رہ گئیں تھیں مگر وہ سارا دن امی کے ساتھ کام میں مصروف رہتیں۔ دن پر لگا کر اُڑتے گئے مَیں آٹھویں پاس کر کے نویں جماعت میں پہنچ گیا۔ مَیں اپنے آپ کو بالکل تنہا سا محسوس کرتا تھا۔

ایک دن میرے دوست واصف نے مجھ سے پوچھا "یار تم اتنا چپ چپ کیوں رہتے ہو؟" میں نے سچّی بات اس کو بتادی وہ بولا "تم شام گھر پر رہنا میں تمہارے گھر آؤں گا۔" میں مان گیا۔ شام کو میں تیار ہوکر واصف کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں واصف پہنچ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا اور ایک گول سی چیز تھی۔ میرے معلوم کرنے پر اس نے دونوں چیزوں کے نام بیٹ اور بال بتائے اور کہا کہ وہ مجھے کرکٹ کھلانے لے کر جارہا ہے۔ میں کرکٹ کی ابجد سے بھی ناواقف تھا۔

کھیل شروع ہوا معلوم نہیں دوستی کے پیش نظر یا مذاقاً واصف نے مجھے اوپنر کے طور پر بھیجا۔ میں تھوڑی بہت کرکٹ ٹیلیوژن پر دیکھتا تھا۔ گیند ایک کھلاڑی نے زور سے میری طرف پھینکی میں ڈر گیا کہ کہیں میرے نہ لگ جائے بیٹ پکڑ کر زمین پر بیٹھ گیا۔ بیٹ تھوڑا سا آڑا ہوگیا تھا۔ گیند بیٹ سے لگی اور باؤنڈری لائن پار کر گئی۔ سب تالیاں بجابجا کر خوش اور میں حیران تھا کہ کیا ہوگیا؟ مجھے گھبرایا ہوا دیکھ کر واصف نے بتایا کہ بھئی گیند کے قریب آنے پر بیٹ زور سے گھما دینا۔ میں نے ہدایت پر عمل کیا اور گیند جیسے ہی قریب آئی بیٹ گھما دیا اور اس بیٹ کے ساتھ خود بھی گھوم گیا مجھے یہ پتا نہ چلا کہ میں نے بیٹ کو گھمایا ہے یا بیٹ نے مجھے گھمایا ہے۔ خیر گیند بیٹ سے ٹکرا کر اچھلی اور باؤنڈری لائن پار کر گئی۔ میرا دوست مجھ کو بتا چکا تھا کہ یہ اس ٹیم کا سب سے اچھا بولر ہے۔ میں نے اس کی طرف دیکھا وہ بڑے غصے میں نظر آرہا تھا۔ مجھے بہت ڈر لگا۔ اگلی گیند نے مجھے ڈرا کر رکھ دیا۔ یہ گیند میرے کان کے پاس سے گزری تھی۔ جیسے ہی اس نے اگلی گیند کرائی میں اچھل گیا ہائے ری قسمت۔ اس دفعہ گیند تھوڑی آہستہ آئی اور میری ٹانگ کو پیار سے چھو کر باؤنڈری لائن پار کر گئی۔ اب مجھ سے چلا نہ جارہا تھا چنانچہ رنر لینا پڑا تھا۔ خیر اللہ اللہ کر کے وہ گیند جس کا میں جب سے انتظار کر رہا تھا، آئی۔ وکٹ پر لگی اور مجھے آؤٹ کر گئی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ میں نے ۳۵ رنز بنائے تھے۔

اب فیلڈنگ کا مرحلہ آیا۔ مجھ کو باؤنڈری لائن کے پاس کھڑا کیا گیا تھا۔ ابھی فیلڈنگ جاری تھی کہ ایک گیند اونچی اچھل کر میری طرف آئی میں نے آنکھ بند کر کے گیند کی طرف ہاتھ کر دیئے اور پھر..... گیند

میرے ہاتھوں سے آکر چپک گئی۔ اور میدان تالیوں کے شور سے گونج اٹھا۔ ہمارا میدان ذرا اونچا نیچا تھا گیند کبھی اٹھ جاتی اور کبھی بیٹھ جاتی ایک کھلاڑی نے میری طرف شاٹ مارا میں نے گیند پکڑ لی اور کھڑا ہو گیا۔ اچانک ایک کرخت ، سخت اور غصے بھری آواز سنائی دی۔ وہ آواز واصف کی تھی۔ جو چیخ چیخ کر گیند مانگ رہا تھا۔ "اف خدایا! ابے گیند پھینک بھی دے یہ لوگ دو رن بنا چکے ہیں" ۔ میں نے تیزی سے گیند پھینک دی۔ اچانک ایک پتھر سے گیند ٹکرا کر وکٹ پر جا لگی اور کھلاڑی رن آؤٹ ہو گیا۔

ہم نے وہ میچ چالیس رنز سے جیت لیا۔ گھر آکر میں نے اپنا کارنامہ گھر والوں کو سنایا مگر کسی کو یقین نہ آیا مگر واصف کی تصدیق نے ان کو یقین کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد میں مسلسل کئی برس تک کرکٹ کھیلتا رہا اور اب میں اپنی محلے کی ٹیم کا انتہائی اہم رکن ہوں۔ میں اپنی ٹیم کو اب تک بہت سے میچ جتوا چکا ہوں مگر نہ جانے کیوں مجھے جتنا مزا اپنے اس پہلے میچ میں آیا تھا دوسرے کسی میچ میں نہیں آیا؟ یہ کیا بات ہے کہ ہمیں اپنی پہلی چیز بہت اچھی لگتی ہے۔ پہلا انعام، پہلا دوست ، پہلا سفر ، پہلا اسکول۔ آپ ہی بتائیے نا!

ایک سچا واقعہ

سعید سردار کراچی

ایک غنڈا دلی کا جامع مسجد کے صدر دروازے پر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اتنے میں ایک انگریز جامع مسجد کو دیکھ کر باہر آیا اور سیڑھیوں سے اتر کر یہ جا وہ جا۔ جب انگریز وہاں سے جا چکا تو غنڈے کی نظر دروازے کی سیڑھیوں پر پڑی۔ وہاں چمڑے کی ایک تھیلی پڑی تھی غنڈے نے یہ تھیلی اٹھا کر رکھ لی اور سوچنے لگا کہ وہ اسکا کیا کرے۔

کئی گھنٹے وہ اسی سوچ میں وہاں بیٹھا رہا۔ اتنے میں وہی انگریز جو جامع مسجد کی سیر کو آیا تھا۔ واپس آیا غنڈے نے کہا۔ "صاحب! یہ آپ کا پرس ہے؟"

انگریز کی آنکھیں خوشی کے مارے چمک اٹھیں۔ اس تھیلی میں نقد روپے تھے سنہری انگوٹھیاں تھیں۔ انگریز نے غنڈے کے ہاتھ سے پرس کو اس طرح لیا جیسے چیل گوشت پر جھپٹا مارتی ہے پرس کو ہاتھ میں لے کر اس نے ایک ایک چیز دیکھی اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ ہر چیز جوں کی توں موجود تھی۔ اس نے خوش ہو کر دس روپے دینے چاہے۔ "یہ کیا ہے؟" غنڈا بولا۔ یہ تمہارا انعام" انگریز نے کہا۔ "یہ انعام میں نہیں لوں گا۔" اس نے کہا۔

انگریز کی ضد تھی کہ تمہیں یہ انعام لینا پڑیگا۔ غنڈے اور انگریز کی باتیں سن کر بہت سے لوگ وہاں اکٹھے ہو گئے۔ غنڈے سے میں نے کہا کہ "صاحب بہادر خوش ہو کر تمہیں انعام دے رہے ہیں تو تمہیں اس کے لینے سے انکار کیوں ہے؟" اس پر غنڈے کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور بولا۔

"میں قیامت کے دن اپنے نبیؐ کی آنکھیں صاحب بہادر کے نبیؐ کے آگے نیچی نہ ہونے دونگا۔ ان کے نبی کہیں گے کہ اے محمدؐ! تیرے ایک امتی نے ایک عیسائی کے روپیہ کی حفاظت کا معاوضہ قبول کر لیا تھا۔ غنڈے کا یہ کہنا تھا کہ لوگوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ انگریز چلا گیا۔ بھیڑ چھٹ گئی اور غنڈا بھی وہاں سے چلا گیا۔ (بیان۔ ماہر القادری مرحوم)

دونوں نکل گئے

مبشرہ ماریہ

شیر بڑے دنوں کے بعد اپنے بیٹے کو بھی شکار کے لئے ساتھ لے کر نکلا تھا ابھی وہ دونوں باتیں کر ہی رہے تھے کہ شیر کو ایک ننھا سا خرگوش نظر آیا وہ

خرگوش کے پیچھے بھاگنے لگا بیچارہ خرگوش بھاگتے بھاگتے تھک گیا اور دو بڑے بڑے پتھروں کے بیچ میں پھنس گیا شیر آہستہ آہستہ اس کے قریب آ رہا تھا خرگوش کو موت کے پسینے آنے لگے کہ ایک دم اس کے قریب ایک چھوٹا سا کنکر شیر کے سر پر آ کر لگا اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو ایک ہرن کھڑا اسے دیکھ رہا تھا

شیر نے سوچا کہ اگر میں خرگوش کا شکار کرونگا تو اس میں سے گوشت بھی تھوڑا نکلے گا اور اگر ہرن کا شکار کروں گا تو گوشت بھی زیادہ ہو گا اور میری بیوی بچے بھی خوش ہو جائیں گے یہ سوچ کر وہ اوپر چڑھنے لگا ہرن نے جو شیر کو اپنی طرف آتے دیکھا تو پھر چوکڑیاں بھرتا ہوا تیزی سے شیر کی نظروں سے اوجھل ہو گیا شیر تھک چکا تھا اس لئے زیادہ پیچھا نہ کر سکا اور واپس خرگوش والی جگہ پر آیا مگر وہاں خرگوش کا نام و نشان تک نہ تھا۔ شیر بڑا مایوس ہوا کیونکہ اب شام ہو چکی تھی اور تمام چھوٹے بڑے جانور اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے شیر اور اس کا بیٹا خالی ہاتھ گھر پہنچے تو اس کی بیوی شیرنی نے خوب بُرا بھلا کہا یہی نہیں بلکہ جو کچھ بچا کچھا تھا وہ خود اور اپنے بیٹے کو کھلا دیا اور بیچارے شیر خان کے پیٹ میں چوہے دوڑتے رہ گئے۔ **(عربی سے ترجمہ)**

مزاحیہ غزل

مبشر علی زیدی
کراچی

پھلوں میں اگر سب سے اچھے ہیں کیلے
تو ہیں کیا بُرے سبزیوں میں کریلے
کہا اپنے ابّا سے موٹو نے رو کر
مجھے بھی ذرا ساتھ لے جاؤ میلے
تمہیں ناریل توڑ کر دے گا بندر
اگر اُس پر پھینکو گے دو چار ڈھیلے
بدن دُبلا پتلا ہی رہتا ہے اس کا
نکمّے نے گرچہ بہت ڈنڈ پیلے
غلاظت کی شہروں میں کثرت نہ پوچھو
لدے جا رہے ہیں ٹرک اور ٹھیلے
اسے کون بازار میں چاٹ دے گا
نہیں جیب میں جس کے پیسے، نہ دھیلے

آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی کسی تحریر کو نقل یا سرقہ قرار دینے والے ساتھیوں سے درخواست ہے کہ تحریر جس رسالے سے چوری کی گئی ہے۔ اس کا تراشہ بھی ارسال کریں۔ یا کم از کم اس رسالے یا اخبار کی صحیح تاریخ، مہینہ اور سال کا حوالہ ضرور دیں۔ جہاں سے تحریر نقل کی گئی ہو۔ (ادارہ)

فروری ۱۹۹۰ء میں شائع ہونے والی تحریر "دو بھائی" نقل شدہ تھی جو پہلے بھی بچوں کے ایک رسالے میں چھپ چکی ہے۔ ادارہ انتہائی افسوس کے ساتھ **نوید حمید** کا نام بلیک بکس میں شائع کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ نشاندہی کرنے پر ادارہ محمد اعجاز خان، نسیم گل خان جامشورو، عبدالماجد مظفر آباد، آزاد کشمیر، زبیر احمد چیمہ پنجاب اور شاہد نذیر کراچی کا مشکور ہے۔

جو تحریر آپ ہمیں بھیجیں اس کی نقل اپنے پاس محفوظ رکھیں اور ہم سے واپسی کا تقاضہ نہ کریں۔

نقل شدہ، طویل اور غیر معیاری تحریریں شائع نہ ہو سکیں گی۔

اپنی نگارشات صاف، خوشخط، کاغذ کے ایک جانب ایک سطر چھوڑ کر لکھیں۔

کار خیر میں مسابقت

افتخار الحق حقانی ..... سوات

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دور خلافت کا ذکر ہے۔ مدینہ کے قریب ایک اندھی بڑھیا کی جھونپڑی تھی۔ وہ بیچاری بہت ہی ضعیف اور بے بس تھی۔ اس غریب کے گھر میں کوئی نہ تھا جو اس بے بسی میں اس کا سہارا بنتا۔ اولاد سے بھی محروم تھی۔ اتفاق سے کہیں حضرت عمرؓ کو اس ضعیفہ کی بے بسی و بے چارگی کی خبر ملی۔ یہ حضرات تو ایسے موقعے کی تلاش میں رہتے ہی تھے۔ سنا تو بہت خوش ہوئے کہ چلو محتاجوں کی خدمت کر کے ثواب کمانے کا بہترین موقع ہاتھ لگا ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ وہ ہر روز صبح سویرے بڑھیا کے گھر جاتے اس کے گھر میں جھاڑو وغیرہ دیتے، پانی بھرتے، کوئی چیز کم ہوتی تو بازار سے لاکر رکھ دیتے۔ غرض ہر طرح اس کی خدمت بجالاتے اور اسے آرام پہنچانے کی فکر کرتے۔ بڑھیا بیچاری اندھی تھی اسے پتہ بھی نہ تھا کہ میرا یہ سارا کام کون کر دیتا ہے اور حضرت عمرؓ یہ بے لوث خدمت اپنی عاقبت بنانے اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کرتے، کسی اور کو خوش کرنے یا لوگوں کی تعریف سننے کے لئے نہیں کرتے تھے۔ اس لئے اتنے سویرے جاتے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔

ایک عرصہ تک ان کا یہی معمول رہا۔ کچھ دنوں کے بعد انہیں ایسا محسوس ہوا کہ کوئی شخص ان سے بھی پہلے آکر یہ سارے کام کر جاتا ہے۔ اب انہیں یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ آخر یہ کون بزرگ ہیں جو مجھ سے بھی پہلے یہاں پہنچ جاتے ہیں ..... بڑھیا بیچاری اندھی تھی اسے کیا خبر کہ کون آتا ہے۔ اسے تو آم کھانے سے کام تھا گٹھلیاں گننے کی کیا ضرورت۔ اور یوں بھی وہ دوسرے صاحب اتنی رات گئے اس کے گھر جاتے تھے کہ اس وقت وہ سوتی رہتی تھی۔ اور جاگ بھی جاتی تو اندھی عورت پہچان کیسے سکتی تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک دن خود اس شخص کو پکڑنے کی ٹھانی۔

آپؓ رات ہی کو دروازے میں چھپ کر کھڑے ہوگئے کہ دیکھیں وہ کون بزرگ ہیں جو مجھ سے پہلے کام کر جاتے ہیں۔ ابھی صبح ہونے میں کافی دیر تھی حسب معمول وہی صاحب مقررہ وقت پر چپکے چپکے تشریف لائے اور گھر کا سارا کام خاموشی کے ساتھ کرنے لگے۔

حضرت عمرؓ نے پہچاننے کی کوشش کی مگر اندھیرے کے سبب پہچان نہ سکے۔ جب وہ صاحب کام کر کے لوٹے اور دروازے کے پاس پہنچے تو انہیں پہچان کر آپؓ دم بخود رہ گئے۔ یہ خلیفۂ وقت امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

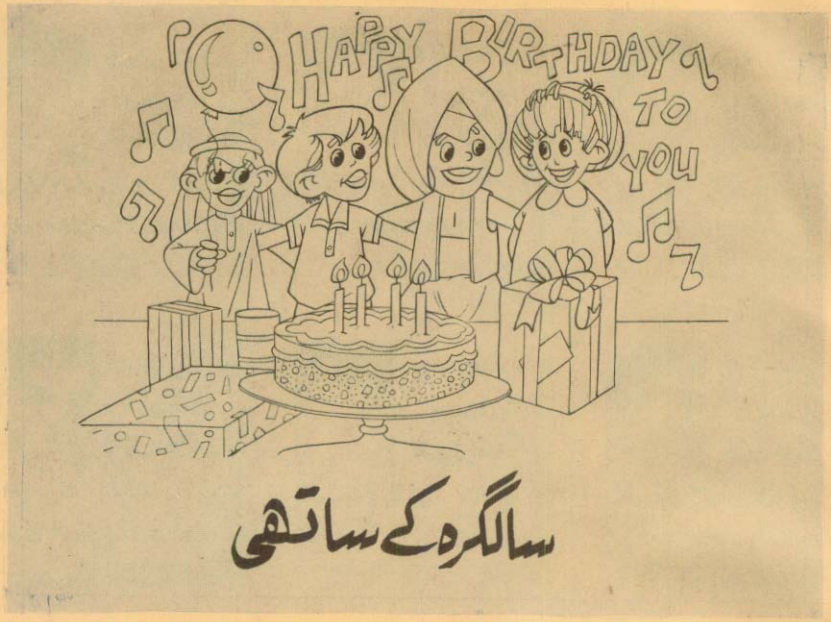

سالگرہ کے ساتھی

(ماہِ جون میں پیدا ہونے والے ساتھیوں کا تعارف)

پرنس محمد بشیر صدیقی ، نہم
یکم جون ۱۹۷۵ء
انگلش، سائنس، بہن بھائیوں
سے پُرخلوص قلمی دوستی۔ ڈاکٹر بنیں گے۔ بمقام و
ڈاکخانہ آدم پور تحصیل ننکانہ صاحب پوسٹ کوڈ ۳۹۱۸۱ شیخوپورہ

میاں احسن مسعود، ایف ایس سی
یکم جون ۱۹۷۴ء
ٹیبل ٹینس، مطالعہ کرنا، حساب
اور کیمسٹری، پروفیسر بنیں گے۔ میاں محمد شریف
مکان نمبر ۱۲۷ بلاک "۷" فرید ٹاؤن ساہیوال

شیخ انور علی عرف عزیز، دہم اے
یکم جون ۱۹۷۴ء
کرکٹ کھیلنا، شعر و شاعری
اردو، انگلش، انجینئر بنیں گے شیخ انور علی مکان نمبر
۳۷۳ وارڈ نمبر ۳ راجپوت گلی نمبر ا بھریا سٹی ضلع نوشہرو فیروز

ناصر عادل ، نہم سی
۳ر جون ۱۹۷۶ء
والی بال، قلمی دوستی، انگلش،
وکیل بننا چاہتے ہیں۔
تحصیل و ضلع میانوالی ڈاکخانہ واں بھچراں بمقام پکہ گھنبیرہ

اعظم صدیق، دہم اے
۵ر جون ۱۹۷۴ء
سائنسی تجربے کرنا، حساب اور
فزکس، انجینئر۔ 20/A سول ایریا منی مارکیٹ
اوکاڑہ کینٹ پوسٹ کوڈ ۵۶۳۰۰

عبدالحسیب ، سیکنڈ ایئر
۵ر جون ۱۹۷۴ء
ناول پڑھنا، قلمی دوستی، فزکس
انجینئر بننا چاہتے ہیں۔ عبدالحسیب S/O عبدالحلیم
چوہدری XEN راول ڈیم اسلام آباد

افتخار احمد ، دہم اے
۶ ، جون ۱۹۷۳ء
غریبوں کی مدد کرنا، کیمسٹری
بڑے ہو کر فوجی بننا چاہتا ہوں۔ مسٹر افتخار احمد اعوان
معرفت پوسٹ مین گھارو تحصیل میرپور ساکرہ ضلع ٹھٹھہ

محمد خالد مغل ، نہم ب
۶ ، جون ۱۹۷۴ء
کرکٹ کھیلنا ، انگلش
ڈاکٹر بنیں گے ۔ مکان نمبر ۲۰/۲۹، الیف
سیکٹر منظور کالونی کراچی نمبر ۴۴

اسد جعفر ، دہم
۱۰ ، جون ۱۹۷۵ء
سائیکلنگ ، کیمسٹری
فزکس ، انجینئر مکان نمبر ۲۹۲ علاقہ ریتی
محلہ ، کوچہ پنکھا سازاں پشاور شہر

محمد عدنان رفیق ، ہفتم
۱۰ ، جون ۱۹۷۶ء
ماٹیپنگ ، سکے جمع کرنا، سائنس
انگلش ، پائلٹ رحمان پلازہ فلیٹ نمبر بی ، ۷،
شو مارکیٹ ، نشتر روڈ کراچی ، پاکستان

ندیم اکبر سندھو ، دہم
۱۴ ، جون ۱۹۷۵ء
آنکھ مچولی پڑھنا، انگلش
پائلٹ بننا چاہتے ہیں۔ مکان نمبر بی۔ ۹
بلاک ۷ گلی نمبر ا گلشن عثمان ، رحیم یار خان

پرنس عاشق علی فیصل دہم
۱۵ ، جون ۱۹۷۲ء
مطالعہ کرنا، خط و کتابت
انگلش، پنجابی ، معلّم اکرم سیال توقیر چک نمبر ۶۴۴ گ ب
تحصیل جڑانوالہ ضلع فیصل آباد، پوسٹ کوڈ ۳۷۲۸۰

اشتیاق احمد ، ششم
۲۶ ، جون ۱۹۷۸ء
انگلش ، فوجی بننا چاہتے
ہیں ۔ رانا نرسری گلی نمبر ا مکان نمبر ۵
اوکاڑہ ، ساہیوال

میاں اشفاق یوسف ، دہم
۲۹ ، جون ۱۹۷۲ء
قلمی دوستی ، فارمولے بنانا
حساب ، ریاضی دان، گاؤں آہینی بالا محلہ
میاں گان ڈاکخانہ پشاور یونیورسٹی ۔

آصف خیام ، ششم
۲۹ ، جون ۱۹۷۸ء
کرکٹ ، پڑھنا، حساب
انجینئر بننا چاہتے ہیں ۔
۱۵/۵۲ ، فیڈرل بی ایریا، کراچی

- اس کالم میں انٹرتک کے طلباء و طالبات شریک ہو سکتے ہیں
- کوپن اور تصویر کے بغیر تعارف شائع نہیں کیا جائے گا
- خراب اور نامکمل کوپن قابلِ قبول نہ ہوں گے
- طالبات اپنی تصاویر نہ بھیجیں۔

کوپن کا صفحہ

آنکھ مچولی کے مختلف مقابلوں یا تحریری سلسلوں میں شرکت کے لئے جا بجا کوپن چھاپنے سے رسالے کے بدنما ہونے کا اندیشہ رہتا ہے اسی لئے تمام کوپن اس صفحے پر یکجا کر دیئے گئے ہیں۔

آنکھ مچولی کی سالانہ خریداری کا کوپن

نام _____ کلاس _____ عمر _____

ارسال کردہ کل رقم _____ بذریعہ _____ دستخط _____

پتا _____

_____

غزل پزل میں شرکت کا کوپن

نام _____ عمر _____ کلاس _____

پتا _____

جواب نمبر ① _____ ② _____ ③ _____ ④ _____ ⑤ _____

⑥ _____ ⑦ _____ ⑧ _____ ⑨ _____ ⑩ _____

قلمی دوستی "سالگرہ کے ساتھی" میں شرکت کا کوپن

نام _____ جماعت _____

تاریخ و سن پیدائش _____ مشاغل _____

پسندیدہ مضمون _____ بڑے ہو کر کیا بننا چاہتے ہیں _____

پتا _____

_____

امّی ابّو کا صفحہ

ایک خاتون

عید پر مہمانوں کے استقبال کے لئے ایک روز قبل ہی میں نے صفائی ستھرائی شروع کر دی۔ ڈرائنگ روم کو سجانے کے لئے میں نے کچھ شوپیس تو بازار سے خریدے تھے۔ کچھ جہیز کے سامان میں عرصے سے رکھے ہوئے تھے ساری چیزیں پرانے ٹرنک سے نکالیں۔ رات تک ڈرائنگ روم سج سجا کر تیار ہو چکا تھا۔ بہت جی خوش ہوا۔ ساری تھکن جاتی رہی۔ یہ احساس تھا کہ کل جب مہمان آئیں گے تو میری خوش ذوقی کی داد دیں گے۔

عید کا دن تھا مہمانوں کی آمد شروع ہوئی۔ ان میں عزیز و اقارب بھی تھے۔ دوست احباب بھی، پڑوسی اور محلے دار بھی۔ بچوں کے ساتھ آنے والے بھی یہ سب سے تکلیف کی بات یہ ہوئی کہ مہمانوں کے ہمراہ آنے والے بچوں نے میری ساری محنت پر پانی پھیر دیا۔ ایک بچے نے کارنس پر رکھا ہوا ایک قیمتی فریم توڑ دیا۔ دو ایک صاحب زادوں کے درمیان ڈرائنگ روم میں ہی دوڑ کا مقابلہ شروع ہو گیا۔ میں یہ سب کچھ دیکھتی رہی اور دل ہی دل میں ہولتی رہی۔ زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی کہ مہمان تھے۔ بُرا مان جاتے۔ قاعدے سے تو انہیں اپنے بچوں کو خود ہی کنٹرول کرنا چاہئے تھا۔ لیکن والدین کے رویئے سے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ہمارے گھر میں آکر اپنے بچوں کی ذمہ داری سے بالکل آزاد ہو چکے ہیں۔ بچے کچھ بھی کریں انہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بہت سے بہت وہ گردن موڑ کر کہہ دیتے۔ "بھئی شور مت مچاؤ" یا

"دیکھو فریم کو ہاتھ مت لگاؤ گر جائے گا۔" لیکن بچوں پر ان کی کسی بات کا اثر ہی نہیں تھا۔

اور یہ دیکھ کر کہ بچے ان کی بات نہیں سن رہے ہیں۔ "آج کل کے بچے، توبہ توبہ کسی کی سنتے ہی نہیں" یا "بڑا شریر ہے!" جیسے جملے کہہ کر دوبارہ باتوں میں مصروف..... سوال یہ ہے کہ بچہ اگر اتنا ہی شریر ہے کہ آپ کے کنٹرول میں نہیں آتا تو اسے ساتھ لانا ضروری تھا کیا؟

ایک دن میری بچی نے مجھ سے پوچھا "امی! کیا ہم اپنا گھر اس لئے سجاتے ہیں کہ دوسروں کے بچے آکر اسے خراب کر دیں؟" ظاہر ہے میں کیا کہہ سکتی تھی۔

لیکن اب "آنکھ مچولی" کے توسط سے تمام بچوں کے والدین سے کہنا چاہتی ہوں کہ خدارا! دوسروں کے گھر اور ان کی چیزوں کے لئے بھی اپنے دل میں درد پیدا کیجئے۔ آپ کے اپنے گھر میں بچے سے ایک پرانا گلاس بھی ٹوٹ جائے تو آپ قیامت کھڑی کر دیتے ہیں۔ لیکن میزبان کے گھر میں انتہائی مہنگا فریم بھی بچہ توڑ دے تو بچے کو "شریر" کا تمغہ دے کر بات ٹال دی جاتی ہے۔ بچے تو چیزوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہی ہیں ان کو روکنا تھامنا آپ کا کام ہے۔ اگر آپ یہ نہیں کرتے تو آپ کی آمد میزبان کے لئے رحمت نہیں سراسر زحمت ہے!

Every Morning
Every Night
Keep Them Healthy
Keep Them White
ACTION
JUNIOR TOOTHBRUSH
Begin your day with
ACTION...
.... and what a day it would be.
A day full of smiles, laughter
and ofcourse –healthy
gums and clean teeth.
Now
also available
at all Utility
Stores.
UNIVERSAL BRUSHWARES (PVT) LTD.
CORAL

REGD. No. M-266 JUNE 1990

MONTHLY AANKH MICHOLEE KARACHI

بروک
پکوڑا مکس
لذت بھی، سہولت بھی

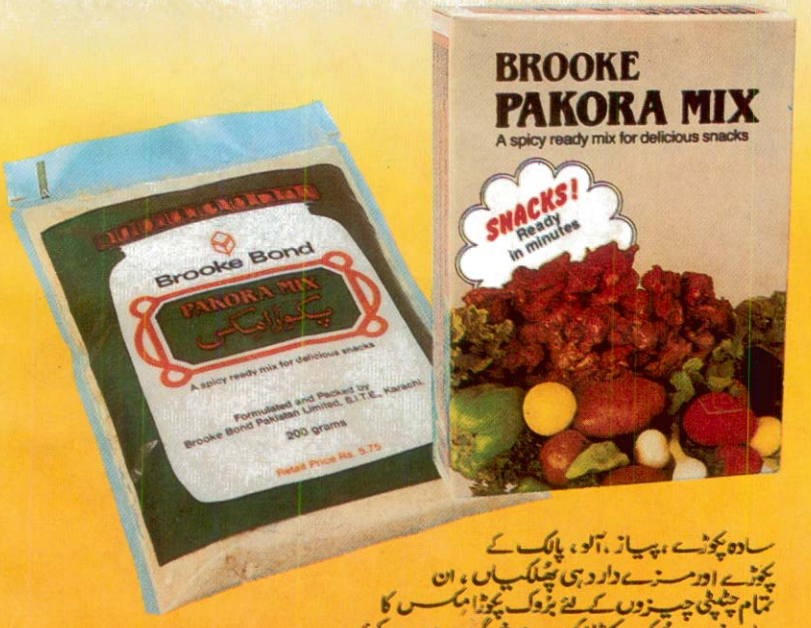

سادہ پکوڑے، پیاز، آلو، پالک کے
پکوڑے اور مزے دار دہی پھلکیاں، ان
تمام چٹپٹی چیزوں کے لئے بروک پکوڑا مکس کا
جواب نہیں۔ بروک پکوڑا مکس ہمیشہ گھر میں رکھیئے۔

بروک بانڈ پاکستان لمیٹڈ

manhattan/BBDO